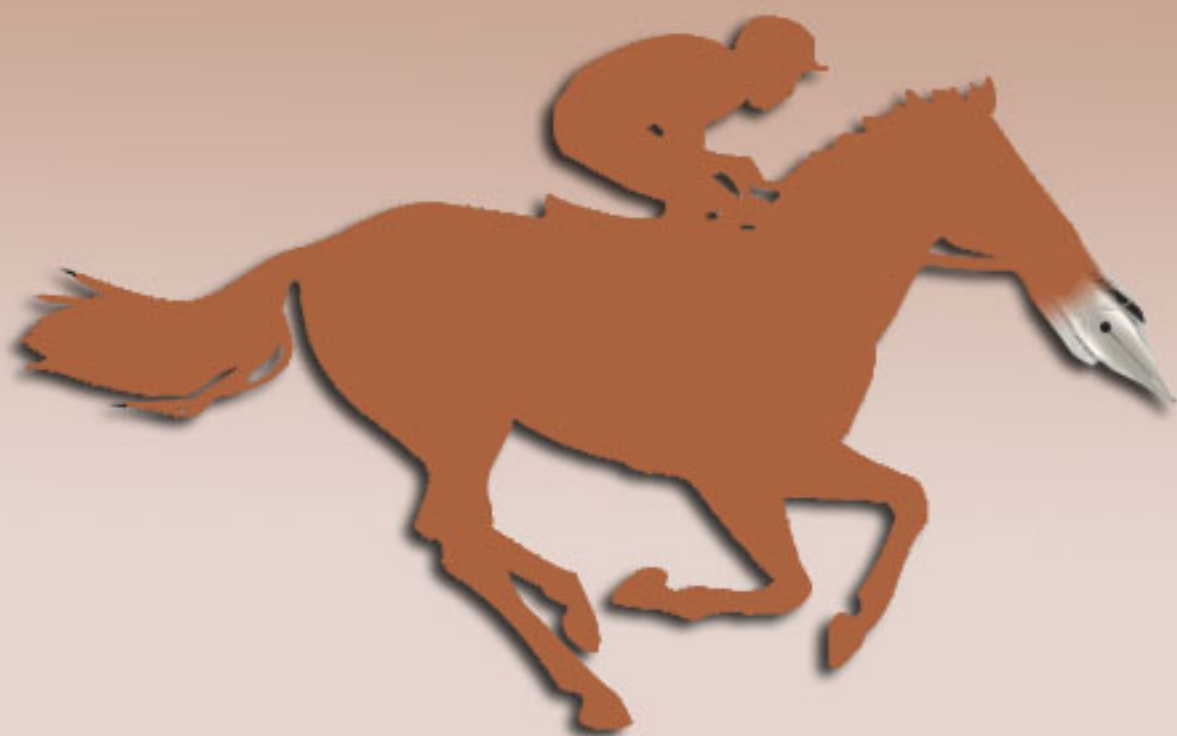


دکتر دگ



نوید ظفر کیانفر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

طنز و مزاح پر مبنی شاعری کا چھٹا مجموعہ

دکڑ دکڑ

برقی کتاب

نوید ظفر کیانی

مکتبہ ارفان ایٹس

www.naveedzafarkiani.wordpress.com
www.facebook.com/nzkiani

ترتیب

- | | | |
|----|----|---|
| ۱۱ | ۱ | بٹتے ہیں شادیوں کے چھوہارے ڈگر ڈگر |
| ۱۳ | ۲ | پرفارمس کا سوداخنور میں پڑ گیا |
| ۱۶ | ۳ | نئے لیلیٰ مجنوں۔ قطعہ |
| ۱۶ | ۴ | شکاری۔ قطعہ |
| ۱۷ | ۵ | مارزیر آستیں ہے ہی نہیں |
| ۱۹ | ۶ | نرس اور ملاقاتی |
| ۲۱ | ۷ | کیسے قبضہ نہیں دیتی ہے شبانہ دل کا |
| ۲۳ | ۸ | امن عالم کی ہے اُن میں بھی تڑپ |
| ۲۴ | ۹ | مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے۔ پیروڈی |
| ۲۵ | ۱۰ | شکایت |
| ۲۶ | ۱۱ | اُس نے مونچھوں کے جلالی وٹ سے |



- ۱۲ کرکٹ اور بارش۔ لمرک ۲۸
- ۱۳ ایک الجھن۔ قطعہ ۲۹
- ۱۴ تیتربٹیر۔ قطعہ ۲۹
- ۱۵ جو ہنر آج یہاں مستری استاد میں ہے ۳۰
- ۱۶ ”نگری نگری پھر امسا فر گھر کا رستہ بھول گیا“ ۳۲
- ۱۷ ہم کو اتنا بھی نگوں سارنہ سمجھا جائے ۳۴
- ۱۸ ذرائع آمد و رفت ۳۷
- ۱۹ کیوں دل میں یوں آئے بیٹھے ہو ۳۸
- ۲۰ اک نئے چوک پہ لے آئے ہیں حالات مجھے۔ پیروڈی ۴۰
- ۲۱ جن نقاط پر ٹھہرازاویہ محبت کا ۴۱
- ۲۲ آپ کا لہجہ بھی کیسا روکش سوئی رہا ۴۳
- ۲۳ راز ارتقاء۔ لمرک ۴۵
- ۲۴ بھانڈ ۴۶
- ۲۵ عجیب لگتا ہے امید ان سے رکھتے ہوئے ۴۹
- ۲۶ حسن جب سے ڈرون پر آیا ۵۲



- ۲۷ بربادی کی روداد ۵۵
- ۲۸ خود پر جب بن آئے تو پھر تلخ مقامی چہ معنی ۵۶
- ۲۹ تم پہ سو جان سے فدا ہونا۔ پیروڈی ۵۸
- ۳۰ توبہ! ۵۹
- ۳۱ احتیاط۔ قطعہ ۶۰
- ۳۲ فیشن۔ قطعہ ۶۰
- ۳۳ جوتری جج میں نظر آیا ۶۱
- ۳۴ سالالہ لمرک ۶۳
- ۳۵ پہنچے تھے اُس گلی میں تو بہر ملاپ آپ ۶۴
- ۳۶ جسے کہتا ہوں جان من یقیناً ۶۶
- ۳۷ گفتگو ۶۸
- ۳۸ یقین کرو! ۷۱
- ۳۹ سادے نامرادے! ۷۱
- ۴۰ ہر بات پر ہے ہر کوئی گومائل بحث ۷۲
- ۴۱ جب عقد کے پھندے میں ہوں مقدور یقیناً ۷۴



- ۴۲ عاشق نامراد ۷۶
- ۴۳ میں کیا کرتا تکرار کہ تھی موکٹ ۷۷
- ۴۴ مک مکا لوگ کرے بیٹھے ہیں۔ پیروڈی ۷۹
- ۴۵ خفا ہیں یاروں پہ کیوں فوقیت نہیں ہوتی ۸۰
- ۴۶ وہ۔ لمرک ۸۲
- ۴۷ بد دعا۔ قطعہ ۸۳
- ۴۸ فریاد۔ قطعہ ۸۳
- ۴۹ پھر سے گھر آن بسا روتا ہوا نووارد ۸۴
- ۵۰ ساون ۸۶
- ۵۱ دل بھاگ بھری پہ رہ بھاگے ۸۹
- ۵۲ کیسی سرچڑھ کے آ رہی ہے ہوا ۹۱
- ۵۳ وہ لڑکی عالمہ ہے جو لڑا تار دے ۹۳
- ۵۴ عقد ہے اک کارنامہ شوخی تدبیر کا۔ پیروڈی ۹۵
- ۵۵ بکرا ۹۶
- ۵۶ اُس نے جھنڈی نہیں دکھلائی ہری ویسے بھی ۹۸



- ۵۷ عجلت پسندی۔ قطعہ ۱۰۱
- ۵۸ بیچارے والدین۔ قطعہ ۱۰۱
- ۵۹ خود کو مرغ زرفشاں پائے بطخ ۱۰۲
- ۶۰ عید کے دن ۱۰۳
- ۶۱ تجھ پہ مرنے کا ارادہ تو نہیں ۱۰۶
- ۶۲ کافی کا کپ۔ لمرک ۱۰۸
- ۶۳ کہیں آہ بن کے لب پہ تیرا نام آنہ جائے۔ پیروڈی ۱۰۹
- ۶۴ اب کار بیکاری کریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں ۱۱۰
- ۶۵ بھرے جب سے دو تین ٹبر کھچا کھچ ۱۱۳
- ۶۶ یقین دہانی۔ قطعہ ۱۱۵
- ۶۷ ایک سوال۔ قطعہ ۱۱۵
- ۶۸ صحافی ۱۱۶
- ۶۹ اگرچہ کہنے کو اُس سے بڑھ کر کہاں کوئی جاٹا رہوگا ۱۱۷
- ۷۰ میرا کیا دوش کہ یہ عشق تو اس دل کی ہے سازش۔ آزاد نظم ۱۱۹
- ۷۱ اُس نے ”بھجیا“ جو کہہ کر پکارا مجھے۔ پیروڈی ۱۲۱



- ۷۲ تم دیکھو گے! ۱۲۲
- ۷۳ جو گھر میں چپقلش کا پھر مقام آیا تو کیا ہوگا ۱۲۳
- ۷۴ چھپے جس سے تھے وہ بھی بے زباں بنتا گیا ۱۲۶
- ۷۵ سزا۔ قطعہ ۱۲۹
- ۷۶ نوبت اس جار سید۔ قطعہ ۱۲۹
- ۷۷ کرکٹ کے ہیرو۔ لمرک ۱۳۰
- ۷۸ وہ ہنس رہا تھا کھیر کھلانے سے پیشتر ۱۳۱
- ۷۹ چھپ کے ملنے آؤں تو رسپانس دینا چاہیے ۱۳۲
- ۸۰ کلجگ کی پھرتی کے ہم قاتل ہیں وافر ۱۳۳
- ۸۱ اُن کی ایک نگاہ ۱۳۶
- ۸۲ ہدیہ تہنیت۔ قطعہ ۱۳۸
- ۸۳ ارے۔ قطعہ ۱۳۸
- ۸۴ زوجہ ہے تو پھر پاؤں دبانا ہی پڑے گا ۱۳۹
- ۸۵ ایسے میکپ میں ہی رہنا کہ کبھی جب بھی ملیں۔ پیروڈی ۱۴۲
- ۸۶ اپنے ہوٹل کا پکا کس لئے کھائے مالک ۱۴۳



- ۷۸ بھولپن تو ہے گویوں کی طرح ۱۴۶
- ۸۸ جانتے سب ہیں جو کردار ہے، سب چلتا ہے ۱۴۹
- ۹۸ گرہ کٹ گر ہیں۔ ولی دکنی کے اشعار سے دست درازی ۱۵۱
- ۹۰ گرہ کٹ گر ہیں۔ میر انیس کے اشعار سے دست درازی ۱۵۲
- ۹۱ گرہ کٹ گر ہیں۔ رفیع سودا کے اشعار سے دست درازی ۱۵۳
- ۹۲ گرہ کٹ گر ہیں۔ حسرت موہانی کے اشعار سے دست درازی ۱۵۴
- ۹۳ گرہ کٹ گر ہیں۔ مومن کے اشعار سے دست درازی ۱۵۵
- ۹۴ گرہ کٹ گر ہیں۔ جگر مراد آبادی کے اشعار سے دست درازی ۱۵۶



بٹتے ہیں شادیوں کے چھوہارے دگر دگر
کرتے ہیں شہر بھر کے کنوارے دگر دگر

برسوں کا فاصلہ ہے، اسے طے کرو گے کیا
یوں دوڑتے ہیں گھوڑے تمہارے دگر دگر

ویسے ہی دندناتے ہیں اس کی گلی میں ہم
جیسے چلے ”گرائیں“ ہزارے دگر دگر

پیچھے لگایا جب بھی سگ کوئے یار کو
میرا رقیب ”دڑکیاں مارے“ دگر دگر

غیروں کی ہو گئی ہے تو پھر کس لئے خدا
اس کو مری گلی سے گزارے دگر دگر

جھٹکے ہمارے بخت کو لگتے ہیں بے طرح
کرتے ہیں آسماں پہ ستارے دگر دگر

لیڈر تمام بحر کرپشن میں غوطہ زن
اور ہم بھی ہیں کنارے کنارے دگر دگر

کوئی نہیں ہے دل کا خریدار واقعی
سارے ہی آرہے ہیں ادھارے دگر دگر

عشاق کی ہودشت میں ہاؤسنگ سوسائٹی
پھرتے ہیں شہر میں کیوں بچارے دگر دگر

لونیو نیویں ہو کے چلے بزم سے عدو
کچھ تو بھی اپنی چال دکھا رہے دگر دگر

رکتے نہیں ہیں ہاتھ بریکوں پہ زینہار
لکھتے ہیں شعر نغزگو سارے دگر دگر

پرفارمس کا سودا سنخور میں پڑ گیا
بزمِ سخن میں کاوشِ جوکر میں پڑ گیا

جمعہ کسی برات میں ناچا یوں رات بھر
کارِ خمار آن کے دفتر میں پڑ گیا

اب بھی دکھائی دیتی ہے وہ بیس سال کی
اور لگ رہا ہے جیسے میں ستر میں پڑ گیا

سچ سچ بتا! یہ کوئی گویا ہے پاپ کا
یا بھوت تان سین کا بندر میں پڑ گیا

کہتا تھا عصرِ نو میں شریف آدمی مجھے
جو مجھ کو چھیڑتا تھا اُسے اکثر میں پڑ گیا

ہر ایک مرد کا دل ہے خواباں کا بتکدہ
عورت کا دل نہیں ہے کہ زیور میں پڑ گیا

کچھ لیڈروں سے بنتا ہے اس طور کا سوال
لوٹے کا عکس کیسے کریکٹر میں پڑ گیا

ہر سمت بس پٹھان دکھائی دئے مجھے
بندوں کا کال سارے پشاور میں پڑ گیا

کھایا ہے جس کا بیف کسی ریسٹوران میں
وہ بیل جانے کیسے کسی خر میں پڑ گیا

سمجھانہ جس نے لفٹ کے قابل کبھی مجھے
آخر کو وہ مرے ہی مقدر میں پڑ گیا



مت پوچھ تیرے ہجر میں کیا حال ہو گیا
رنگِ پپتا جیسے چقدر میں پڑ گیا

وہ بیکلی ہے ہم کو کسی پہلو نہیں سکوں
کھٹل تمھاری یاد کا بستر میں پڑ گیا

میں تو محبتوں کا خریدار تھا ظفر
کیوں زادِ ہجر ذیست کے شاپر میں پڑ گیا



نئے لیلا مجنوں

تیرے میرے پیار پہ دنیا رشک کرے
تیری ہستی میں جیون تحلیل مرا
تیرا میرا ناٹھ سب سے بڑھ کر ہے
میں امریکہ اور تو اسرائیل مرا

شکاری

ایک ریسٹوران کی سپلائی کو
پھر شکاری سوئے جنگل مڑ گیا
یوں تو پورے پکڑے تھے تیر مگر
ایک ”کائیں کائیں“ کرتا اڑ گیا



مار زیرِ آستیں ہے ہی نہیں
یار گویا دنیا میں ہے ہی نہیں

ٹارچ کا ہی کام کوئی لے سکے
اس قدر روشن جہیں ہے ہی نہیں

پارلر سے جب سے ہو کر آئی ہو
کوئی تم جیسا حسیں ہے ہی نہیں

دل میں گھستا آئے کیوں جوتوں سمیت
مہرباں اپنے تئیں ہے ہی نہیں

پونچھ لوں میں ہاتھ اس کی شال سے
اس قدر کوئی قریں ہے ہی نہیں

یہ رہا نچرے ہوئے لیموں کا رس
آپ کہتے تھے نہیں، ہے ہی نہیں

اُس نے دھوکہ دے دیا تو کیا ہوا
جس پہ ہم تم کو یقین ہے ہی نہیں

میں پئے بھونڈی گیا تو یہ کھلا
اُس مکاں میں تو مکین ہے ہی نہیں

نغز گو رو میں اُسے بھی کہہ گئے
جو سرے سے نازنین ہے ہی نہیں



نرس اور ملاقاتی

نرس ری نرس تری کون سی ”گل چنگی“ ہے

ہر ملاقاتی ملٹیٹنٹ تجھے لگتا ہے
جس کا گھس آنا مریضوں کے لئے خطرہ ہے
تو محافظ ہے سو ڈیفینس پہ آمادہ ہے
اسی باعث تو ہر اک چال تری جنگی ہے
نرس ری نرس تری کون سی ”گل چنگی“ ہے

تیرا اندازِ سخن ہے یا کوئی کاشن ہے
تیری باتیں ہیں کہ ہاتھوں میں تنابیلن ہے
تیرا لہجہ ہے کہ بھینسے والا انجکشن ہے
ہر ملاقاتی کے حق میں تو نری ”ڈنگلی“ ہے
نرس ری نرس تری کون سی ”گل چنگلی“ ہے

کہہ دیا تو نے تو پھر گھات نہیں ہو سکتی
مک گیا وقت، ملاقات نہیں ہو سکتی
گویا اس بات پہ اب بات نہیں ہو سکتی
لاکھ بتلایا کہ کمرے میں مرا سکتی ہے
نرس ری نرس تری کون سی ”گل چنگلی“ ہے

تو ہمارے لئے اک ہنجرِ گرہ ہی سہی
ایسا کرنا تیری ڈیوٹی کا تقاضہ ہی سہی
دوسرے لوگوں کے نزدیک یہ نخرہ ہی سہی
فرض اک سیخ ہے تو جس پہ سدا شنگی ہے
نرس ری نرس تری کون سی ”گل چنگلی“ ہے



کیسے قبضہ نہیں دیتی ہے شبانہ دل کا
کیوں اڑنچھو ہے بھلا لے کے بیعانہ دل کا

مشورہ عقل کا مانا نہیں یہ جان کے بھی
احسانہ ہے ہمیشہ سے قیانہ دل کا

دیکھتے دیکھتے ہو جاتی ہے ہر نیوز بریک
راز چھپتا ہے کہاں کوئی زنانہ دل کا

سب گرفتار وفا ہو کے یہیں آتے ہیں
حسن والوں کو کھلا رہتا ہے تھانہ دل کا

اُن کو ”کانا“ تو کہا جا نہیں سکتا ہرگز
میچ کر آنکھ جو لیتے ہیں نشانہ دل کا



چاند چہرے پہ دوپٹے کا ہے ڈھانٹا، دیکھو
کوئی آیا ہے چرانے کو خزانہ دل کا

کیوں تری یاد دبیر میں رُلاتی ہے مجھے
اتنا آساں نہیں جاڑے میں نہانا دل کا

سرجری صبر سے روزانہ میں کرواتا ہوں
لوگ فالودہ بناتے ہیں روزانہ دل کا

ساتھ میں چاہیے دولت کی بھی میٹھی چٹنی
ہے تو مرغوب انہیں کھنڈ مکھانہ دل کا

تیرے ہونٹوں پہ وہی ”دُور دفع“ کے فقرے
تیری آنکھوں پہ وہی شعر سُنانا دل کا



امنِ عالم کی ہے اُن میں بھی تڑپ
جن کے گھر روز ہی ہوتی ہے جھڑپ

یوں مرے دل میں کوئی آن گھسا
جیسے ڈڈو کہیں پانی میں غرپ

سخت انگلش میں مجھے ڈانٹتے ہیں
کہنے لگتے ہیں شٹ اپ کو بھی شرپ

اتنے میٹھے بھی نہ بنے صاحب
لوگ کر لیتے ہیں یکبار ہڑپ

قوم آ جائے ویسے میں تو پھر
غیر ممکن ہے کرے شوں نہ شرپ

قافیہ تنگ ہے خاصا ورنہ
دل میں تھی اور بھی لکھنے کی تڑپ

(چچا غالب کی غزل کی پیروڈی)

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے
 شوقِ ڈنر سے توند نمایاں کئے ہوئے
 کرتا ہوں ای سی جی میں دلِ نامراد کی
 عرصہ ہوا طبیب کو شاداں کئے ہوئے
 پھر تنگی لباس سے رُکنے لگا ہے دم
 برسوں ہوئے تھے فیشن کا ارماں کئے ہوئے
 دل پھر طوافِ کالج نسواں کو جائے ہے
 پھر اہتمامِ شامتِ مستان کئے ہوئے
 پھر چاہتا ہوں نامہٴ دلدار گھولنا
 جاں اُس کی رائٹنگ سے ہراساں کئے ہوئے
 اکِ نو بہارِ ناز کو تاکے بہت نگاہ
 اکِ نو بہ نو حماقت کا ساماں کئے ہوئے
 پھر جی میں ہے کہ گھر پہ کسی کے پڑے رہیں
 کل خود تھے، آج اُن کو پریشاں کئے ہوئے
 بیوی ہے آج شام سے شاپنگ کی گھات میں
 بیٹھی ہے اکِ تہیہٴ طوقاں کئے ہوئے



شکایت

دیکھ ! نافرمانیاں اولاد کی
بات سنتی ہی نہیں اجداد کی

چاہیے ماں باپ کو ایسی بہو
وہ جو بیٹی ہو کسی جم زاد کی

ساتھ لاسکتی ہو لاکھوں کا جہیز
مستحق ہو ہر طرح سے داد کی

اور برخوردار کی منشاء نہ پوچھ
زندگی، لگتا ہے کہ برباد کی

کتنے احمق ہیں، پرستش کرتے ہیں
ایک کنگلے حسن کے الحاد کی

اُس نے مونچھوں کے جلائی وٹ سے
کتنے دل چھید دئے ہیں فٹ سے

کیا ملاقات کی درخواست کریں
وہ دکھا دیتے ہیں ٹھینگا جھٹ سے

کس طرح ناز اٹھا پائیں گے
وہ تو لگتے ہیں نرے ہی ”جٹ“ سے

کیوں ملا مجھ کو سدا ”دُور دفع“
تیرے ماتھے کی ہر اک سلوٹ سے

ہائے اقوام کہن کی قسمت
وہ جو محروم رہے سگریٹ سے

سچ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا
تیری ”لیکن“ سے نہ میری ”but“ سے

دس بجے وقت نہیں دفتر کا
آپ جاتے ہیں کہاں سرپٹ سے

ممتحن خاک اٹھائے انگلی
اب نکل آتے ہیں ٹی ٹی ٹی کھٹ سے

آپ کی غزلیں پڑھی ہیں کیا
آپ شاعر ہیں بڑے نٹ کھٹ سے



کرکٹ اور بارش



جہاں بھی کھیلنے لگ جاتے ہیں ہم میچ کرکٹ کا
عناصر کرنے آ جاتے ہیں برہم میچ کرکٹ کا
اگر بارش نہیں ہوتی
تو مع طوفان آئے گی
بس اتنا کرنا ہے، رکھنا ہے باہم میچ کرکٹ کا

ایک الجھن

سعادت ہے کہ اس مہنگائی میں بھی
خدا نے جرأتِ ایمانی دی ہے
مگر میں نے کیا قربان بکرا
یا بکرے نے مری قربانی دی ہے

تیتربیر

حضرت میرزا و مومن کو
گڑبڑا کر یوں پڑھ گیا توتا
”جان تم پر نثار کرتا ہوں“
”جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا“

جو ہنر آج یہاں مستری استاد میں ہے
اُس کی رتی بھی کہاں حضرت فرہاد میں ہے

اپنے کردار میں ہونا نظر آتا ہے بہت
دیکھنے میں جو سراسر قد شمشاد میں ہے

ٹوٹنے جو اتنی نزاکت سے ”فنی“ بولا ہے
طنز کا تیر بھی اس بار تری داد میں ہے

ممبر قومی اسمبلی میں یہ خوبی دیکھی
اولاً چور ہے، لیڈر تو کہیں بعد میں ہے

اُس کی تشریف میں پھوڑا نہیں نکلا ہرگز
ایک مدت سے ترے ہجر کی افاد میں ہے

گاؤ دی اُس کو کہا ”ی“ کو گرا کر کیونکر
بس اسی بات کا غصہ مرے نقاد میں ہے

اُس کو موجد نہیں کہتی ہے گلوڑی دنیا
یہ خلش آج بھی حسنِ ستم ایجاد میں ہے

کہیں جا کر کبھی کلفی نہیں نکلا کرتی
جیسا پنڈی میں تھا ویسا ہی وہ بغداد میں ہے

ایسے افراد کو سوچنی ہے حکومت ہم نے
جن کی دلچسپی فقط آہن و فولاد میں ہے

میں نے بتلایا ہے ہٹھہہ مرا کیسے بیٹھا!
دوستو! کوئی لطیفہ مری زوداد میں ہے؟



”نگری نگری پھرا مسافر گھر کا رستہ بھول گیا“
اَر پورٹس کو آتے جاتے لاری اڈہ بھول گیا

اوپر نیچے کاکوں نے یوں کی ہے ”تا“ کہ پنکی کو
سارا عشوہ، سارا غمزہ، سارا نخرا بھول گیا

ایسی ایسی تان اڑاتے دیکھا ہم نے یاروں کو
بزمِ سخن میں کون ہے شاعر کون گویا بھول گیا

میک اپ مین کو اپنے فن پر ناز یونہی فیض رہا
میک اپ کیسا، جب جلووں کا ”ٹویا ٹبا“ بھول گیا

برفیلی اشیاء کھانے پر بیٹے کو تو ڈانٹا ہے
بچپن میں خود کھاتا تھا میں گولا گنڈا بھول گیا



یوں تو پنکی آئیڈیل پر سمجھوتہ نہ کرتی تھی
دولت والا دیکھا تو سب گورا کالا بھول گیا

بعد از مدت ملنا ہے اور ”نیب“ کی صورت پوچھتے ہیں
کون فلانا یاد رہا اور کیوں ڈھمکانا بھول گیا

اُس کو دیکھا ہے تو فدوی پھر سے پونچھ ہلاتا ہے
اُس کے ویروں نے جو توڑا گوڑا گنا بھول گیا

ووٹر کو بھی روزِ الیکشن یاد کہاں رہتا ہے ظفر
اپنے وطن میں کون ہے گھوڑا کون ہے کھوتا بھول گیا





ہم کو اتنا بھی گلوں سار نہ سمجھا جائے
اُن کے ٹھینگلوں کا پرستار نہ سمجھا جائے

عادتاً شیریں بیاں ہوں جو خواتین کے ساتھ
عقدِ ثانی کا سزاوار نہ سمجھا جائے

ونڈو شاپنگ بھی تو کرتے ہیں بہت سے بندے
اُس کے تاڑو کو خریدار نہ سمجھا جائے

زاوے اور بھی نقطوں پہ بنا لیتا ہے
عاشقِ عصر کو پرکار نہ سمجھا جائے

یہ الگ بات کہ ہر جیسے کو تیسرا ہوں میں
ایسا ویسا مجھے زینہار نہ سمجھا جائے

یوں تو ملہارتے پھرتے ہیں کنارِ جوہڑ
کسی مینڈک کو گلوکار نہ سمجھا جائے

مجھ کو انسان کہا جائے، دغا باز سہی
کسی کتے سا وفادار نہ سمجھا جائے

اپنی پگڑی کو سمجھتا ہوں میں عزت کا نشان
کلفنی مرغِ طرحدار نہ سمجھا جائے

جھوٹ بکتا ہوں مگر اہلِ صحافت سا کہاں
یوں مجھے شام کا اخبار نہ سمجھا جائے

یہ غمِ قوم نہیں قوم کو کھانا چاہے
لیڈر قوم کو غمخوار نہ سمجھا جائے



بھانڈ لوگوں کو بھی کہہ سکتے ہیں حیوانِ ظریف
سب کو غالب کا طرفدار نہ سمجھا جائے

بیشتر شعر لکھے اپنی زمیں پر میں نے
پھر بھی چاہتا ہوں زمیندار نہ سمجھا جائے



ذرائع آمدورفت

قبرستان میں جانا چاہتے ہو تو اس کے دو ہیں ذریعے
یا گاڑی میں بیٹھ کے پہنچو
یا گاڑی کے نیچے آ کے

کیوں دل میں یوں آئے بیٹھے ہو
کیا دے کے کرائے بیٹھے ہو

دھرنے یوں دئے کب جاتے ہیں
دھونی ہی رمائے بیٹھے ہو

ہو محو سخن موبائل پر
آ کر ہمسائے بیٹھے ہو

تم اتنی ”گو گو“ ہونے پر
کیوں کر مغلائے بیٹھے ہو

میخانے میں بلوایا ہے
اور پینے چائے بیٹھے ہو

یہ دور ہے چکنی مٹی کا
تم ”شائے شائے“ بیٹھے ہو

رومان ہے اس میں کیا رانجھے؟
کیوں بھینس چرائے بیٹھے ہو

لونڈوں میں تمہارا کام ہی کیا؟
کیوں سنگ کٹائے بیٹھے ہو

ہم لمبی واک سے ہو آئے
اور تم ہو کہ ہائے بیٹھے ہو

دھرتے ہیں تمہیں وہ ٹھینگوں پر
”کیا آس لگائے بیٹھے ہو“

اب رام کہانی سنو ظفر
تم پوچھ جو ”وائے“ بیٹھے ہو

(ایک فلمی نغمے کی پیروڈی)

اک نئے چوک پہ لے آئے ہیں حالات مجھے
جو بھی مانگی تھی، وہی مل گئی خیرات مجھے

آتی جاتی ہوئی رکتی ہیں جو لمحہ بھر کو
کتنی پیاری ہیں یہ مع پرس مسامت مجھے

جب بھی کاسے میں نئے نوٹ کی خوشبو جاگے
اپنی آواز بھی لگتی ہے نئی گھات مجھے

بابو لوگو! میرے ٹھہیے سے کما کر دیکھو
کیا کہوں تم پہ ترس آتا ہے دن رات مجھے



جن نقاط پر ٹھہرا زاویہ محبت کا
اب وہاں پھسلتا ہے حوصلہ محبت کا

ایک مجنوں بھائی کی سب نے ہی دھنائی کی
ہو گیا محلے میں واقعہ محبت کا

اور ہی رقیبوں کا رنگ ہوتا جاتا ہے
تنگ ہوتا جاتا ہے قافیہ محبت کا

اُن کے سر کی پٹی کو آپ کیا سمجھتے ہیں
وہ اٹھائے پھرتے ہیں تعزیه محبت کا

جب کسی پر مرتا ہوں، زندگی بھر مرتا ہوں
عارضی نہیں ہوتا، عارضہ محبت کا

اب مقننہ میں سب چور ڈاکو مل بیٹھے
ہو گیا سیاست میں سانحہ محبت کا

یاد کیجئے تلخی ”ذرفٹے منہ“ سننے کی
جب کبھی بھی چکھنا ہو ذائقہ محبت کا

اور کیا کمائے گی، نیند ہی اڑائے گی
گیت جب بھی گائے گی فاخرہ محبت کا

روز اپنے شوہر کا یہ بجاتی ہے باجا
شعر جو سناتی ہے شاعرہ محبت کا





آپ کا لہجہ بھی کیسا رُوکش سوئی رہا
سننے والے کی زباں پر ”اُف“ رہا ”اُوئی“ رہا

ایسے میں جمہوریت کی دال گلتی کس طرح
ہر سیاستدان کا پیشہ تو بد خوئی رہا

مقتدر حضرات تو خود کو بچاتے رہ گئے
ہر اپوزیشن کا ہی کردار ”کنگ فوئی“ رہا

رازداری شرط ہے رشوت کے کاروبار میں
کس لئے اس میں سوال وحدت و دُوئی رہا

ظاہراً لگتی تھی اللہ میاں کی گائے مگر
اُس نے جو کچھ بھی کہا وہ ہشت پہلوئی رہا

”بی جمالو“ بن نہیں سکتے تھے طبی طور پر
دوستوں کو بے وجہ ہی شوقِ کنسوئی رہا

ووٹ پڑتے ہیں کسی کو، جیت جاتا ہے کوئی
ہر الیکشن کا نتیجہ کیسا جادوئی رہا

ریشماں پر ریشہ حطمی خاک ہو پاتے بھلا
نیٹ زدہ دل بتلائے آنسہ ”شوئی“ رہا

اس لئے بھی ازدواجی زندگی تھی بے سکوں
میری بیوی کو ہمیشہ خوف ”کلموئی“ رہا

عقل کی اک بات کو بھی ہضم کر پایا نہیں
جو چغند پن اُس میں تھا، بہ رنگِ یکسوئی رہا

آپ نے کس پر انڈیلی شاعری تا بہ مسا
یہ ظفر تو کان میں ٹھونسنے ہوئے رُوئی رہا

راز ارتقاء



گرا تھا مجھ سے جب ٹکرا کے خسرو
تو بھنایا تھا مجھ پر کس قدر وہ
مگر اب جانتا ہے
جو راز ارتقاء ہے
اڑنگی دے رہا ہے ہر کسی کو

بھانڈ

جس طرف بھی جائے
موجِ خنداں پائے
ان کے فقرے کھائے
اور بس مسکائے
ہر طرف تشریف فرماتے ہیں بھانڈ
جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ
ہر سیاستدان کا
اب لب و لہجہ ملا
اس مرض میں مبتلا
بھانڈ ہر کوئی بنا
سب کے سب جلسوں میں بن جاتے ہیں بھانڈ
جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ

دفتروں میں بھی کہاں
اب مفران سے میاں
رکھتے ہیں سب ہم راہاں
بھانڈ کا طرزِ بیاں

اب تو ان سے آپ شرماتے ہیں بھانڈ
جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ
نیوز چینل پر ملے
بھانڈ ہر ہر طور کے
اب سیاسی تبصرے
ان کے ہی ذمے لگے

اب صحافت کو بھی گرماتے ہیں بھانڈ
جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ
ان کی باتوں پر چڑیں
تیل جلتی پر دھریں
اور "مچلائیں" انہیں
جینا ہی دو بھر کریں

کس قدر فنکاری دکھلاتے ہیں بھانڈ
جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ



بھانڈ ہیں چیزیں دگر
 کتے پھرتے ہیں اگر
 پھبتیاں ہر شخص پر
 خود کو بھی بخشیں کدھر
 بھانڈ بن کر خود سے ٹکراتے ہیں بھانڈ
 جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ
 لوگ کرتے ہیں بریف
 نغز گویان ظریف
 محفل شعری کے تھیف
 لاکھ بنتے ہیں شریف
 ہر کسی میں یہ بھی کہلاتے ہیں بھانڈ
 جس طرف بھی دیکھتا ہوں میں، نظر آتے ہیں بھانڈ



عجیب لگتا ہے امید ان سے رکھتے ہوئے
مقتنہ کے سبھی جانور ہیں پرکھے ہوئے

بتادو ایسی کی تہیسی ہوئی ہے جو تیری
کچھ اور لوگ بھی عزم سفر ہیں باندھے ہوئے

ترے گلاب سے مکھڑے کو پہنچ پائیں گے کیا
ہم آم کی طرح پیلے ہیں وہ بھی چوسے ہوئے

انہیں اٹھانے کو اب زلزلہ ہی آئے کوئی
کہ وہ ہیں کرسی پہ ایلفی لگا کے بیٹھے ہوئے



بھگا بھگا کے رقیبوں نے گھر ڈراپ کیا
ہم آئے جب بھی تمہاری گلی سے ہوتے ہوئے

کریں نہ فخر بہت ایٹمی دھماکوں پر
ہمارے گھر میں بہت بیگمی دھماکے ہوئے

ڈنر کے بعد کسی نے ڈکار یوں لی ہے
”اڑا دئے ہیں پرندے شجر پہ بیٹھے ہوئے“

کبھی وہ لیلیٰ کبھی ہیر پر نچھاور ہیں
زمانہ نو میں تو مجنوں میاں بھی لوٹے ہوئے

ہمارے سامنے جمہوریت کا نام نہ لیں
تمام اہل وطن ہیں اسی کے ڈنگے ہوئے

تمہاری میٹرو سب کو نہال کر دے گی
مگر وہ لوگ جو سیلاب میں ہیں بہتے ہوئے



پرایا دھن تو فقط بیٹیاں نہیں ہوتیں
کہ بعد از عقد کئی لڑکے بھی پرائے ہوئے

ظفر ہمیں کو ہی کیوں طعن ہڈ حرامی ہے
تمام رات گزاری ہے تارے گنتے ہوئے



حُسن جب سے ڈرون پر آیا
عشق بھی ریڈ زون پر آیا

اُس نے بھی مصلحت سے کام لیا
جب سے میں اپنی ٹون پر آیا

چُپ کے لاکر میں وہ مقفل تھا
شکر ہے۔۔۔ آپ کون؟ پر آیا

وہ جو کاشن سا تھا کلف زدہ
آخر کار لون پر آیا

اپنے لیکھوں میں نارسائی رہی
وینٹ سے ہو کے گون پر آیا

فائدہ کچھ مذاکرات کا ہے
کوئی آدھے سے پون پر آیا

کیا ہوئیں لن ترانیاں اس کی
وہ جو آخر کلون پر آیا

خوش گمانی کے سحر سے نکلا
کوئی پھر اپنے اون پر آیا

یوں میں کنگلا ہوں آپ کے در پر
جیسے گنجا سیلون پر آیا

اک رقابت نے یک بیک "تا" کی
عشق جون تنکون پر آیا

ہم بھی آئے ہیں اپنی آئی پر
وہ بھی ٹوئے فرعون پر آیا

لاؤ دید پھرتیاں ہیں ظفر
سلسلہ جب سے ”تہون“ پر آیا





بربادی کی روداد

کیا کہوں کیسے ہوا دیوالیہ!
نصف دولت سے اُتاری حُسن والوں کی نظر
ایک چوتھائی جوے اور یار باشی میں لگی
اور باقی ہو گئی ”برباد“ میرے گھر کے اخراجات پر

خود پر جب بن آئے تو پھر تلخ مقالیٰ چہ معنی
متھے پڑ جائے تو سچ کو ماں کی گالیٰ چہ معنی

جب وہ میری عرضِ تمنا دیکھ نہ پائیں پڑھ نہ سکیں
کوئی بتاؤ کہ پھر ان کی چشمِ غزالیٰ چہ معنی

سر کی خیر منا پاؤں تو بیگم سے یہ پوچھوں بھی
میرے گھر میں ساس سر سالے اور سالیٰ چہ معنی

بیگم یہ تسلیم کہ ہم پر ہے یہ خاص کرم لیکن
ٹھنڈی ٹھار ہو جائے تو پھر چائے کی پیالیٰ چہ معنی

پھول یا پھل نہ دے تو اس کا ہونا بھی نہ ہونا ہے
جس پر بندر لٹکے ہوں اُس پیڑ کی ڈالیٰ چہ معنی



اسکاپ پر غنچہ دہاں سے چینگ کرنا خوب مگر
بیگم سر پر ہو تو پھر رنگین خیالی چہ معنی

اور بدن تو ماس اور چربی سے ہے ناکوں ناک بھرا
سر سے اوپر والا حصہ کیوں ہے خالی چہ معنی

دیواروں کو شعر سنانے میں تسکین ہے کاہے کی
سننے والا نہ ہو تو شعروں کی جگالی چہ معنی

اونچی مونچھ کی خاطر بگڑے ہیں تو تاویلیں کیسی؟
لات جما بیٹھے تو ذکرِ خیر سگالی چہ معنی

بات جو اُس نے سمجھانی ہے ہم نے سمجھ لینی ہے ظفر
پھر مولانا کی تقریر میں یہ قوالی چہ معنی



(احمد فراز کی ایک غزل کی پیروڈی)

تم پہ سو جان سے فدا ہونا
 گویا اچھا ہوا ”گدھا“ ہونا
 سب کی ٹانگوں کو توڑنا چاہوں
 اک ستم ہے شکستہ پا ہونا
 کتنی پیاری ہے میری اسٹینو
 کتنا لازم ہے بے وفا ہونا
 رنگے ہاتھوں ہی پکڑے جاتے ہیں
 جب بھی چاہتے ہیں پارسا ہونا
 کوئی افسر بنے تو کھل جائے
 آدمی کا یہاں خدا ہونا
 ٹھونس دے گا حلق حلق غزلیں
 کسی شاعر کا دوست کیا ہونا



توبہ!

پوچھا یہ اک خاتون نے
”یہ مرد کیا کچھ سوچتے ہیں، کچھ خبر بھی ہے تمہیں؟“
بولی جو ابادوسری
”یہ پوچھنے کی بات ہے، جو سوچتی ہو تم یا میں!“
اس پر کہا خاتون نے معجوب ہو کر شرم سے
”توبہ! بڑے بے شرم ہیں!!“

احتیاط

چل رہے تھے ساتھ منے کے مرے ابا ابھی
کہتے تھے محتاط رہنا منہ گٹر کا ہے کھلا
چلتے چلتے میں نے جب دیکھا انہیں مڑ کے ظفر
وہ نہ تھے اور اک گٹر کے گرد تھا مجمع لگا

فیشن

جانتی ہو ان دنوں نکلا ہے اک فیشن نیا
حاشیے کپڑوں پہ ہوں پیوند کی صورت جلی
کیا کہا؟ فیشن ہے یہ؟؟ کیسا زمانہ آگیا!
شام میری نوکرائی کی قمیض ایسی ہی تھی

جو تری جج میں نظر آیا
جانے کس رنج میں نظر آیا

حالتِ جنگ میں بھی ہو گا وطن
حالتِ گنج میں نظر آیا

وہی اندازِ خسروانہ ترا
جو مجھے منج میں نظر آیا

محفلِ موسیقی ہے یا دھرنا
میں شش و پنج میں نظر آیا

اُن کا ہر پینترا کچھ ایسا ہے
صرف شطرنج میں نظر آیا

”میں اٹک میں ہوں“ فون پر کہتا
وہ شکر گنج میں نظر آیا

قوم کو لوٹنا ہوا لیڈر
فنِ اسفنج میں نظر آیا

جو سیاست کا بونگا پن ٹھہرا
ہر نوا سخ میں نظر آیا



سال



سُروں نے شوقِ عقد کا کیسا صلہ دیا
فدوی کے طمطراق کا باجا بجا دیا
سب جانتے ہیں اب
اس کا ہے جو سبب
مولا نے ایک سائڈ کو سال بنا دیا

پہنچے تھے اُس گلی میں تو بہر ملاپ آپ
سروں کو دے کے آگئے گردن کا ناپ آپ

لاعلم تھے کہ آپ کے جاناں کا عقد ہے
ٹھمکا لگا کے ڈھول کی سنتے تھے تھاپ آپ

آوارگی انہیں کی محبت کی ہے عطا
لگنے لگے ہیں جن کو بہت روڈ چھاپ آپ

ٹپکا رہے تھے رال وہ جس کے شباب پر
موصوف اُس حسینہ کے لگتے تھے باپ آپ

اک دوسرے کو کچا چبانے کی گھات ہے
اور میڈیا کی ٹاک پہ جاری ہے آپ آپ

ماہِ صیام تو ہے پئے تزکیہٴ نفس
اور لے گئے سمیٹ کے ساری ہی شاپ آپ

لیتے ہیں کیوں جماہیاں منہ پھاڑ پھاڑ کر
جب آنے والے دور کی سنتے ہیں چاپ آپ

چلتی نہیں یہاں پر منسٹر کی پرچیاں
جیون کے امتحان میں کیا ہوں گے ٹاپ آپ

بسم اللہ کہ جناب کا کھاتہ ہے بل ابھی
حج کر کے دھو تو آئے ہیں جیون کے پاپ آپ

چمنی اگر خدا نے غزل کی ہے دی ہوئی
کچھ تو نکال دیجئے اندر کی بھاپ آپ

کردار سارے ڈان بنے پھرتے ہیں ظفر
جمہوریت کی فلم کو سمجھیں فلاپ آپ

جسے کہتا ہوں جان من یقیناً
وہی پھنسوائے گی گردن یقیناً

بتاتا ہے ترا طرزِ خطابت
بسوں میں بیچا ہے منجن یقیناً

جو ”کپڑے مع میاں“ دھوتی ہے اکثر
ہر اک بیوی ہے وہ دھوبن یقیناً

وہ جس کو ساس کہتا ہے زمانہ
اُسی کا نام ہے الجھن یقیناً

یہ جو ہے نقشِ پاماتھے پہ تیرے
یہی ہے عشق کا ٹوکن یقیناً

ہمارے سارے لیڈر اللہ اللہ
کبوتر ہیں نرے لوٹن یقیناً

نصیب دشمنان بریائیاں ہیں
مرے حصے میں ہے کھرچن یقیناً

بلم کے شوقی مکہ بازی سے ہے
یہ دائیں آنکھ کی سوجن یقیناً

مری بیوی کو بھی لگتی تو ہو گی
مری یہ شاعری سوتن یقیناً





گفتگو

پہلا بہرہ: میں نے کہا حضرت سلام!

دوسرا بہرہ: جی ٹھیک ہیں گھر میں تمام!!

پہلا بہرہ: مدت کے بعد آئے نظر
غائب رہے آخر کدھر؟

دوسرا بہرہ: بیٹی کا بر؟ اچھی کہی
شادی بھی اُس کی ہو چکی
چھوٹا سا اک بیٹا بھی ہے
”دادو“ مجھے کہتا بھی ہے

پہلا بہرہ: کہتے ہیں نکلی آپ کی
لاکھوں روپوں کی لاٹری
”کنٹرپولیشن“ آپ کو

دوسرا بہرہ: کس سے گلہ قسمت کا ہو
بھیا کی ہے حالت بُری
ہر وقت کا ہے کھانسا
بس کھانسا اور ہانپنا
خاصا دوا دارو کیا
لیکن اثر کچھ نہ ہوا
کہتا تھا کل تھو حکیم
درکار ہے صبرِ عظیم

مجھ کو نصیب دشمنوں
کچھ اور ہوتا ہے گماں
لگتا ہے کالی کھانسی ہے
کھانسی نہیں ہے پھانسی ہے
ابا بھی تھے یونہی مرے

پہلا بہرہ: ایسا ہی ہو اللہ کرے





یقین کرو!

بجا بجا کہ تمہارا سکیل ہے بہتر
خیالِ خاطرِ دگراں کو نذرِ شو نہ کرو
نمودِ افسری کے خوگرو! تمہاری طرح
کلرک ہوتے ہیں انساں یقین کرو نہ کرو

سادے نامرادے

اگر آپ میرٹ پہ آتے نہیں
تو پھر جاب چکر سے قابو کرو
یہ کلجگ ہے اس دور کا ہر سمند
سفارش کے منتر سے قابو کرو

ہر بات پر ہے ہر کوئی گو مائل بحث
یہ اور بات کچھ بھی نہیں حاصل بحث

کچھ بھی بتا نہ پایا کہ جو بات کی گئی
سر کو کھجاتا رہ گیا ہر ناقل بحث

اُس پر بھی عاقلوں میں ہیں گھنٹوں کے معرکے
وہ بات جو سرے سے نہ تھی قابل بحث

زور آوروں نے پٹل جو ٹیبل پہ دھر دیا
آسانی سے نمٹ گئی ہر مشکل بحث

جو ”ٹک“ کی ہانکتے تھے، فقط منمناتے تھے
شورش پیا رہا ہے بہت جاہل بحث



محفل میں میری ذات تھی موضوع گفتگو
مجھ کو بھی کاش کرتا کوئی شاملِ بحث

بے اختیار پھونکیں کوئی مارنے لگا
آئی ہمارے سامنے جب مشعلِ بحث

باہر سے کوئی بم نہیں آیا تھا بزم میں
ہر اک شریکِ بحث رہا قاتلِ بحث

اینکر تو ٹاک شو زمیں شمشیر زن رہے
چینل کے ناظرین ہوئے بسملِ بحث

جس بات سے گریز کی تجویز تھی ظفر
وہ بات بھی رہی ہے بہت داخلِ بحث



جب عقد کے پھندے میں ہوں مقدور یقیناً
ہر لڑکی نے آنا ہے نظر حور یقیناً

جو پوز کیا کرتا ہے خود کو کوئی ہیرو
اوروں کو نظر آتا ہے لنگور یقیناً

مجھ کو بھی محبت میں بہت پنجا گیا ہے
ویسے تو میاں مجنوں ہیں مشہور یقیناً

تکرار میں باتوں سیتو جی سیر نہ ہو گا
گھونسہ ہی جواب اس کا ہے بھرپور یقیناً

دفتر میں جو چنگیز بنے پھرتے ہیں اکثر
گھر پر انہیں دیکھا گیا مقہور یقیناً



کیوں از رہِ اخلاق انہیں جھک کے ملے تھے
ہونا ہی تھا اُس شوخ نے مغرور یقیناً

پاتا ہوں عطا اللہ کے گانوں کی سزا میں
ہوتا ہوں میں جب بھی کبھی رنجور یقیناً

اب ذکر سیاست پہ یہی ذہن میں آئے
دولت کی ڈھلائی کا ہے مذکور یقیناً

مل جاتی ہے شاعر کو بھی اب دادِ سخن کی
پا لیتا ہے اجرت تیرا مزدور یقیناً





عاشق نامراد

کتنی محبوبائیں تھیں، کیا پوچھنا
مجھ کو اندازہ نہیں
کتنے بچوں کا میں ماموں بن چکا!

میں کیا کرتا تکرار کہ تھی مَوْنِث
گوارہ رہی ”ہار“ کہ تھی مَوْنِث

عدالت میں پیش ہو سکا نہ مرا دل
وہ تھی خوں کی حقدار کہ تھی مَوْنِث

میں خرگوش رُو ”کچھوا“ بن کر تھا پیچھے
تھی کم اُس کی رفتار کہ تھی مَوْنِث

وہ تھی بس یونہی سی مگر پھر بھی ہر سو
تھی بھونڈوں کی بھرمار کہ تھی مَوْنِث

ادھر شیو میں گم شدہ میرا چہرہ
واں ”میک اپ“ کے انوار کہ تھی مَوْنِث

اُسے تاڑ میں رکھنا دشوار تر تھا
یوں چوکس تھا ریڈار کہ تھی مَوْنِث

میں چاہتا تھا اِس عید پر نگڑا بکرا
اُسے ”پنک“ درکار کہ تھی مَوْنِث

وہ کالج میں تھی تو ہر اک نوجواں کا
روا اُس سے تھا پیار کہ تھی مَوْنِث

وہ پھولوں بھری رہگزر کی طرح تھی
مگر کب تھی ہموار کہ تھی مَوْنِث

ظفر ترک الفت سے ہیں ”ستاں خیراں“
اُسی سے تھے اشرا کہ تھی مَوْنِث



(مصطفیٰ کی ایک غزل کی پیروڈی)

مک مکا لوگ کرے بیٹھے ہیں
ایک ہم ہیں کہ ڈرے بیٹھے ہیں

کام سرکاری دفاتر میں کہاں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

چھیڑ کر ذکرِ ویکینسی ظالم
چھیڑ مت ہم کو بھرے بیٹھے ہیں

قتل کا کس کی ارادہ ہے جو آپ
آج ڈرائیونگ کو بھرے بیٹھے ہیں

آج پھر یار کے گھر کے آگے
چاٹ کھانے کو نگھرے بیٹھے ہیں

خفا ہیں یاروں پہ کیوں فوقیت نہیں ہوتی
وہ جن کی گھر بھی کوئی حیثیت نہیں ہوتی

جو منچلے ہیں کہاں مانتے ہیں عقل کی بات
کسی شمار میں یہ اقلیت نہیں ہوتی

جو گفتگو میں سیاست کا تذکرہ آئے
کسی بھی بات میں معقولیت نہیں ہوتی

بس ایک جاب ہے لیلیٰ کی ناز برداری
کچھ اور قیس کی مصروفیت نہیں ہوتی

میں گھر میں ہوں تو عبث ہے یہ پرسش احوال
میں ہوں وہاں کہ جہاں خیریت نہیں ہوتی

ہزار دل سے کریں رویتِ ہلال کا کام
جو تاڑوں میں ہے وہ محویت نہیں ہوتی

یوں حق پرستی کا اظہار بھی ہے اپنی جگہ
مگر جو بات غلط ہے ”غلط“ نہیں ہوتی

میں خاک دل کی عدالت سے سرخرو نکلوں
مرے جنون میں ”عمرانیت“ نہیں ہوتی

عجب عجب کہ بلاتے ہیں عقد پر سب کو
غضب غضب کہ کوئی تعزیت نہیں ہوتی

جہاں بھی جاؤ گے عالم میں پاؤ گے اس کو
کسی چغہ کی کوئی قومیت نہیں ہوتی

ظفر یوں ہجر کی ہر بیوگی کلام میں ہے
جو ہونی چاہیے وہ شعریت نہیں ہوتی



دیکھنے پایا نہ جی بھر کے دوانا اُس کا
دیکھتے دیکھتے گھوڑا تھا روانہ اُس کا
نہ کوئی اپنی کہی ہے اُس نے
نہ مری بات سنی ہے اُس نے
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا اُس کا

بددعا

گھن کی طرح کھائے تجھے فکرِ عزت
اور جاں کے لئے بھی تو پریشان رہے
جا تیرے لئے میری دعائے بد ہے
بھارت میں رہے اور مسلمان رہے

فریاد

مجھ میں ایسی خرابی ہے کیا؟
جو سلیکشن سے باہر ہوں میں
رشتہ دینے سے انکار کیوں؟
مولوی ہوں نہ شاعر ہوں میں

پھر سے گھر آن بسا روتا ہوا نووارد
سالِ نو کا کوئی ماڈل ہے نیا نووارد

سینئر کی بڑی عزت ہے نگہ گھٹ کے ہاں
ہر کوئی بیٹھا ہوا اور کھڑا نووارد

یہ اُسی حُسنِ مجسم کا ہے ابا، پیارے
پوچھتا پھرتا ہے تو جس کا پتہ نووارد!

آخرِ کار وہیں سے ترا ہونا ہے گزر
تو نے کھودا تھا جہاں ایک گڑھا نووارد

کوئی نقشہ ترا تبدیل بھی کر سکتا ہے
نیل پہ رکھا ہوا یہ ہاتھ ہٹا نووارد

سگِ لیلیٰ بھی ہے لیلیٰ کی محبت میں شریک
دلبری ان سے بھی لازم ہے ذرا نوازد!

میں نہیں ہوتا تو پھر پوچھتا بھی پھرتا ہے
میرے ہونے پہ بھی ہوتا ہے خفا نوازد

تیرے دل میں نہ جگہ مل سکی برسوں میں بھی
تیری محفل میں رہا ہوں میں سدا نوازد

یہ تکلف کا جو پردہ ہے، ہٹا بھی دیجے
کب تلک آپ نے رہنا ہے بھلا نوازد



ساون

دل کو خوش آتے ہیں تیرے سبھی ”ورژن“، ساون
ہر تمنا ہے ترے ”میلے کی شوقن“ ساون

آنسہ باراں کا مجرا ہے کہ رکتا ہی نہیں
کب سے جاری ہے مسلسل یہ چھنا چھن ساون

ایک پل کے لئے بھی سانس کہاں لیتے ہو!
کام پر جیسے لگی ہو کوئی دھوبن ساون



اس قدر دھوم دھڑکا ہے فقط جاب تری
سال میں ویسے مہینے تو ہیں درجن ساون

صاف کر دیتا ہے ”بوٹھا“ تو ہر اک منظر کا
تیرے ہاتھوں میں ہے شائد کوئی جھاڑن ساون

لوگ اک دو بجے کے قدموں میں گرے پڑتے ہیں
جا بجا جا کے بچھا آیا ہے پھسلن ساون

کس حسینہ کی اڑا لایا ہے یہ قوس قزح
تان لی ہے سر افلاک جو چلمن، ساون!

خسن میک اپ زدہ سچائی کی بارش سے بچے
آن کی آن میں دھو دیتا ہے روغن ساون

تیری بجلی میرے چھپر پہ کڑکتی کیوں ہے
یہ نہیں ہے کوئی غالب کا نشیمن، ساون!



کرتے پھرتے ہیں یہ سورج سے بھی غنڈہ گردی
ابر آوارہ ہوئے ہیں تیرے کارن ساون!

جھونپڑے سب کے بہالے گئے نالے تیرے
کتنا اوباش ہے تو بہ! تیرا جو بن ساون



دل بھاگ بھری پر رتجھا ہے
یہ بھوت پری پر رتجھا ہے

خود دیکھا نہیں منہ مدت سے
اور شیشہ گری پر رتجھا ہے

درکار گڑی ہر منڈے کو
ہر کھوٹی کھری پر رتجھا ہے

ملتان سی فطرت ہے اُس کی
جو کوہ مری پر رتجھا ہے

بھاتی نہیں مرغی گھر کی اُسے
غیروں کی cumy پر رتجھا ہے

جنجال بنے گی بعد از عقد
جس عشوہ گری پر رتجھا ہے

جب دری کی بھی اوقات نہیں
کیوں بارہ دری پر رتجھا ہے

سبزہ ہے کہ کائی کیا جانے
بس ہری ہری پر رتجھا ہے

اک خادم کنگلی قوم کا ہے
طرہ زری پر رتجھا ہے

سامانِ ظرافت بھی تھا مگر
شاعر تو worry پر رتجھا ہے



کیسی سرچڑھ کے آ رہی ہے ہوا
سر سے وگ کو اڑا رہی ہے ہوا

اب پلوشن کی ہم مذاق ہوئی
کل تلک باصفا رہی ہے ہوا

صحن گلشن میں کیوں ہے چک پھیری
کچھ تو چکر چلا رہی ہے ہوا

رشتہ بے تکلفی تو نہیں
بے وجہ گدگداری ہے ہوا

خوشبوؤں سے فلرٹ کرتی ہے
گل یہ کیسے کھلا رہی ہے ہوا

اُن کی زلفوں کو کر دیا برہم
کس قدر بے حیا رہی ہے ہوا

کیوں سیاست کو ہو گیا ہے دمہ
ہر طرف دندنا رہی ہے ہوا

ایڈوائس ٹرمپ سے لائی ہے کیا؟
آندھی بن کر ڈرا رہی ہے ہوا

ہم ہیں ”اَکے“ ہوئے جہاں بھر سے
اور شوخی دکھا رہی ہے ہوا

کل کو پاتال میں پٹخ ہی نہ دے
بانس پر اب چڑھا رہی ہے ہوا





وہ لڑکی عاملہ ہے جو لٹر اُتار دے
یہ ہر قسم کے بھوت کو یکسر اُتار دے

تم نے تو جانا ہو گا پرستان کی طرف
یوں کر کہ راہ میں مجھے دفتر اُتار دے

کیوں آپ اپنے کام نہ آیا کرے کوئی
کیوں ناریل درخت سے بندر اُتار دے

گاڑی نئی خرید کے شو مارتا ہے وہ
لکر لگا اک ایسی کہ بمپر اُتار دے

کس منہ سے گول بوٹی طلب کر رہا ہے تو
بوٹی کہیں تری ہی نہ بچر اُتار دے



لگنے لگا ہے بزم میں شادی شدہ یونہی
چہرے سے اپنے دیدہ مضطرب اتار دے

اوروں سے خیر کا ہے طلبگار تو میاں
تو بھی تو اپنے ذہن سے گوبر اتار دے

تو لیڈروں کے فیض کو پہچان جائے گا
جب ڈنک تیرے جسم میں چھرا اتار دے

پھر سے طوافِ کوچہ پنکی میں ہے ظفر
اس کا نشہ نہ کوئی مچھندر اتار دے



(حقیقت جالندھری کی ایک غزل کی پیروڈی)

عقد ہے اک کارنامہ شوخی تدبیر کا
 رونا روتا ہے یونہی شوہر بُری تقدیر کا
 زندگی بھر زندگی کے لطف کو ترسا ہوں میں
 زندگی کی دال کو ”ڈونگا“ بنادے کھیر کا
 جب پڑا مکا رقیبِ روسیہ کا ناک پر
 دے دیا معشوق کو فوراً لقب ہمیشہ کا
 عشق کا کیڑا نکالا ہے ہمارے ذہن سے
 خوب احساں ہے ترے دستِ گریباں گیر کا
 اک بیوٹیشن کا اعجازِ مسجائی تو دیکھ
 ساس کا چہرہ لگا نقشِ حسین تصویر کا
 اب بخارِ صاعقہ ٹوٹے کسی صورتِ ظفر
 اس سے پہلے کہ نشاں پڑ جائے سر پر چیر کا

بکرا

قربانی کے مفہوم میں الجھا ہوا بکرا
کب سے ہے فریزر میں جمایا ہوا بکرا

کیوں سینگوں پہ رکھا ہے مجھے بیچ سڑک پر
کیا جانئے کس بات پہ ”اوکھا“ ہوا بکرا

آجائے گا قربانی کے بھی کام یقیناً
سیلفی کے لئے خاص خریدا ہوا بکرا

دیدار کو آیا ہے یا دیدار کرانے
پنکی کے لئے پنک سا رنگا ہوا بکرا

لیڈر بھی مقلد نہیں یوں ”میں میں ازم“ کا
قربانی کے دن بھی کہاں چڑکا ہوا بکرا

کیا جانئے کس کس کے مقدر میں لکھا ہے
تکوں میں کبابوں میں بکھیرا ہوا بکرا

قربانی محلے میں تو دی ہوتی ہے سب نے
مل سکتا ہے واپس بھی یوں بانٹا ہوا بکرا

اب مالی پوزیشن ہی کچھ ایسی ہے کہ اس سے
لے سکتے ہیں کاغذ پہ بنایا ہوا بکرا

ڈھوپائے گا مجھ کو، میرے اعمال کو کیسے
واقف نہیں جنت کو سدھارا ہوا بکرا





اُس نے جھنڈی نہیں دکھلائی ہری ویسے بھی
عشق کے کیس سے ہم تم ہیں بری ویسے بھی

عرضِ دل کر کے اُکھیڑو نہ اُسے ہمتھے سے
وہ ستمگار ہے مرچوں سے بھری ویسے بھی

غیرتِ عشق کو اب چاٹا کرو بیٹھے ہوئے
کہنے والے نہیں کم اُس کو پری ویسے بھی

ماڈرن دور میں دلہن کو حیا کیا آئے
یہ لجانا تو ہے اک کاریگری ویسے بھی

دل کو دہلاتی ہے اُس مونچھ کی شمشیر بہت
بات ہو سکتی نہیں ہم سے کھری ویسے بھی

فلر کیا شے ہے بھلا چکنا گھڑا کیا جانے!
مجھ سے کہتا ہے کوئی ”ڈونٹ وری“ ویسے بھی

کچھ تو آنکھیں بھی ہماری نہیں کمزور ابھی
اور کچھ راس نہیں دیدہ وری ویسے بھی

جو بھی کچھ ہے یہاں اشرافیہ کے واسطے ہے
ملک میں ڈیموکریسی ہے ”اری“ ویسے بھی

تم اسے پانی سمجھ کر بھی تو پی سکتے ہو
شور بے میں نہیں اچھی ہے تری ویسے بھی

ساتھ سینڈو ہو تو اگلوں کو پڑے بڑھ بڑھ کے
ہر کوئی ہوتا ہے اتنا تو جری ویسے بھی

تیرے ابا سے بھی دو ہاتھ پڑیں تو کیا ہے
عشق نے میری بنائی ہے ”کری“ ویسے بھی

تین مرلے کے مکاں میں نہیں ممکن تو نہ ہو
ہم کو خوش آتی نہیں بارہ دری ویسے بھی

اُس تلک جائے گی کیا گرمیِ اخلاص کی آنچ
گرمیاں اُس کی گزرتی ہیں مری ویسے بھی





عجلت پسندی

ہو گیا ہے آج کا انسان کیا عجلت پسند
ہر روایت انگلیاں دانتوں میں دابے رہ گئی
فرقتوں میں ہائے ہائے کی فراغت ہے کسے
داستانِ عشق تو اب بائے بائے رہ گئی

بیچارے والدین

اُس کو بیٹی کے جواں ہونے پہ فکر
بر کہاں سے آئے گا اُس کے لئے
اس کو بیٹے کے جواں ہونے پہ غم
نو کری لے کر کہاں سے دے اسے

خود کو مرغ زرفشاں پائے بطخ
ہر بطخ لیکن نظر آئے بطخ

لے اڑے بیساختہ بطخ کا دل
جب چلے تو کیا کیا مکائے بطخ

لائے تھے دلہن بنا کر فاختہ
بن کے بیگم ہم کو دہلائے بطخ

یوں تو ہے اسارٹ ہر لڑکی مگر
عقد ہو تو بن کے رہ جائے بطخ

لوچ باتوں میں عجب کوئل سا ہے
جسم کے سارے ہی پیرائے بطخ

ویسے ہی نخرے دکھائے گی سدا
جس طرح کے ہوں گے آبا ئے بطخ

فائدہ سلمنگ کلینک کا بھلا
جب محلے بھر میں کہلائے بطخ

خواب پریوں کے نظر آنے لگیں
دلربا ہیں ایسے اسمائے بطخ

موج میں آ آ کے یوں قیس قیس کرے
تان سینوں کو بھی شرمائے بطخ

بھونڈ پن میں اس قدر اندھا نہ بن
جو ہڑوں کو ہی نہ لے جائے بطخ

نوجواں کھا جاتے ہیں دھوکہ ظفر
فیس بک پر آ کے غزلائے بطخ

عید کے دن

میرے پلے نہ پڑی تیری ادا عید کے دن
تو نے مس کال میں کیا مجھ کو کہا عید کے دن

تیرے گھر سے بھی میں ہو آیا میانِ شیخاں
گھوریاں ڈالے رہا تیرا پپا عید کے دن

خُسن جلوؤں کے کئی رنگ لئے آیا تھا
دل ٹھکری میرے ہاتھوں سے گیا عید کے دن

تنگ کتنوں کو کیا، جب بھی پہن کر آیا
جامہ تنگ کوئی جانِ حیا عید کے دن

کتنے شبہات سر دیدہ زوجہ دیکھے
جب بھد شوق میں تیار ہوا عید کے دن



تیرے شاعر کی وہیں چیخ نکلتے دیکھی
روزہ خوروں سے جہاں عید ملا عید کے دن

لوٹ لیتے تیرے بچے بھی بنام عیدی
میں نہ بن جاتا اگر چکنا گھڑا عید کے دن

وہ غرارے میں تھی سو میں نے بھی تہہ پہنا
یونیفارم ایک محبت کا رہا عید کے دن

نفسِ امارہ کا روزہ سرِ رمضان رہا
سب نے دل کھول کے افطار کیا عید کے دن

لے اڑا جوتی مری کوئی بطورِ عیدی
برہنہ پاؤں میں مسجد سے چلا عید کے دن

دورِ پیزا کی ہے یہ پود، بھلا کیا جانے
کیسا لگتا ہے سویوں کا مزا عید کے دن



تجھ پہ مرنے کا ارادہ تو نہیں
اس حماقت کا اعادہ تو نہیں

سیدھے رستے پر چلوں میں کس طرح
یہ کسی منزل کا جادہ تو نہیں

میری باتوں پر یقین کیونکر نہیں
یہ کسی لیڈر کا وعدہ تو نہیں

کس طرح چٹا ہو میرا کاں بھلا
میں سیاسی خانوادہ تو نہیں

ایک ہی سوراخ سے ڈسوائے گا
اب کوئی اتنا بھی سادہ تو نہیں

صورتِ شلوار پہنوں گا میں پینٹ
میرے پرکھوں کا لبادہ تو نہیں

کھائیے نانِ جویں بھی دیکھ کر
اس میں مٹی کا برادہ تو نہیں

لے اڑی ہے جس کو کلمونہی کوئی
اب وہ ماسی تیرا شادا تو نہیں

اب تو مکھن ہے لگانے کے لئے
نوش کرنے میں افادہ تو نہیں

یہ ظفر زادہ ہے یا خود ہے ظفر
ہجر میں گھل گھل کے آدھا تو نہیں



کافی کا کپ



اک بالٹی نما کپ بیٹھے تھے لے کے حضرت
پوچھا گیا یہ اُن سے صاحب یہ کیا حماقت
بولے کہ ڈاکٹر نے
باندھا ہوا ہے اب کے
دن میں بس ایک ہی کپ کافی کی ہے اجازت

(حبیب جالب کی ایک غزل کی پیروڈی)

کہیں آہ بن کے لب پہ ترا نام آ نہ جائے
میں تجھے ”بلا“ ہی کہہ دوں، وہ مقام آ نہ جائے

ذرا زلف کو سنبھالو، مرا دل دھڑک رہا ہے
کوئی اور ننھا مہماں، سرِ عام آ نہ جائے

جسے سُن کے چھوٹ جائے مرا چائے سے بھرا کپ
تری انجمن سے مجھ کو وہ پیام آ نہ جائے

وہ جو اپنا فرض جانیں کہ وطن کو لوٹ کھائیں
اُنہیں لیڈروں میں اب کے ترا نام آ نہ جائے

یہ رقیب شیب ہنس لیں، مرے کانگری پنے پر
مرا پہلوان جب تک لبِ بام آ نہ جائے



اب کارِ بیکاری کریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 آؤ سیاست ہی چریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 آنکھوں کا پردہ تو رہا عشاق میں نہ حسن میں
 ”پرنے“ ہیں اور نہ چادریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 کچھ حسن والے مطلقاً حسنِ بیاں رکھتے نہیں
 لہجے ہیں یا ہیں ٹھوگریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 کیسا ہے یہ طرزِ سخن، ہم پاس آئے تو کہا
 ”ہٹ کے کھلو پچھاں مریں“، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 یہ دور ”آئی ٹی“ ہے سو آپس میں ہی دکھ سکھ کہو
 نہ گوریاں نہ گاگریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 جب ایک گھر میں برتنوں کی شکل میں موجود ہیں
 تو کیوں نہ ٹکرایا کریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 شغلِ چغل خوری سے ہو جاتا ہے ہلکا پیٹ کچھ
 اوروں پہ ڈپریشن دھریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں



اہلِ نظر بننا ہے تو ضعفِ بصارت کس لئے؟
 کھاتے رہو سب گاجریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 اب بیٹھ کر باقاعدہ میرٹ پہ کر لیں فیصلہ
 کن کن حسینوں پہ مریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 کس عمر میں وعدہ کسی سے کر رہے ہیں ہم نفس!
 بادام کی ہیں آفریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 ہم عمر ہو کر ”میڈمیں“ ہیں اس قدر شاداب کیوں؟
 واں کا کلیں، یاں جھالریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 بیکار، اہلِ کار ہیں، کیوں اپنے طالع میں نہیں؟
 چم چم چمکتی موٹریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 لب بستہ ہو جاتے ہیں کیوں جب بولنے پر آتی ہیں
 یہ بیویاں، یہ نیچریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 جیسے بہ وقتِ گفتگو، نگڑوں سے دب جاتے ہیں سب
 ویسے خدا سے بھی ڈریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 یوں خاک ہوں ہم تم رواں، پائیں لفافوں کے نشاں
 تو لفظ میں چابی بھریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں



اہل صحافت سے کوئی متھا لگا سکتا نہیں
 دے دیں گے منہ میں فیڈریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 پھر گرم گفتاری کا چو لہا آن کر دو آن کر
 کیوں سرد مہری سے ٹھریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں
 غوطے لگانا سیکھ لیں بے فیض باتوں کے ظفر
 ہر نیوز چینل میں تریں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں



بھرے جب سے دو تین ٹبر کھچا کھچ
ہوا ہے سیاست کا نچر کھچا کھچ

ہمارے ہی ٹیکسوں کا پیسہ اڑا کر
بنے ہیں وہ لیڈر مخیر کھچا کھچ

اگر تم کسی اور کی ہو گئی ہو
ہمارے بھی دل میں ہیں دلبر کھچا کھچ

بھلا ہیروئن کی سمگلنگ میں کیا ہے؟
بھرو بوریوں میں ٹماڑ کھچا کھچ

کوئی کام کا بندہ ملتا نہیں ہے
اسمبلی میں دیکھے مجھندر کھچا کھچ

اگرچہ بہت مفلسی کا ہے رونا
بہر سو ہے جنسِ دِساور کھچا کھچ

بھرو ہاسٹل بے گھروں سے دبا دبا
بچھائے چلے جاؤ بستر کھچا کھچ

سمجھتے تھے ہم جس کو دیوارِ گریہ
وہاں تھا پے جاتے ہیں گو بر کھچا کھچ

کہاں نفگی پا پور سنگروں میں
گروپوں میں ہیں سارے جھینگر کھچا کھچ

پلاننگ ادھر بھی کہ اب ہیں ظفر جی
ہمارے وطن میں سخنور کھچا کھچ



یقین دہانی

بجا بجا کہ تمہارا سکیل ہے بہتر
خیالِ خاطرِ دگراں کو نذرِ شو نہ کرو
نمودِ افسری کے خوگرو! تمہاری طرح
کلرک ہوتے ہیں انساں، یقین کرو نہ کرو

ایک سوال

جب حکومت سے یقین اٹھنے لگے
کام بن سکتا ہے اک تحریک سے
مہر کی زنجیر میں جکڑا ہوا
کوئی بتلاؤ کہ شوہر کیا کرے

صحافی

یہ تم کس ذمہ میں ہو جی!
صحافی ہوں
چنانچہ آشنا ہر مکر سے ہوں میں!
تمہیں اسکیڈلوں میں بھیج سکتا ہوں
بڑے تم مجھ سے چاہے جتنے ہو جاؤ
تمہاری ٹانگ تو میں کھینچ سکتا ہوں





اگرچہ کہنے کو اُس سے بڑھ کر کہاں کوئی جاٹار ہو گا
 تار ہونے کا وقت آیا تو سب سے پہلے فرار ہو گا
 ہزار روکو ، نہیں رکیں گے ، ہزار ٹوکو، نہیں ٹلیں گے
 جہاں جہاں شرپسند ہوں گے، وہاں وہاں شر شرار ہو گا
 یہ دورِ حاضر کی عاشقی ہے، تفسیحِ اوقات ہے سنورنا
 نہ ہم نے ہی شیو کی ہوئی ہے نہ اُن کا سولہ سنگھار ہو گا
 یہ دیکھنا ہے نئے ڈیزائن کا کیسا شاہین آ رہا ہے
 شکار کر پائے گا کسی کو یا خود کسی کا شکار ہو گا
 جنابِ ناصح سے فیض کیا ہو جو درد سے آشنا نہیں ہے
 نہ کیلکولیٹر ہے پاس اس کے ، نہ کچھ غموں کا شمار ہو گا
 جو ٹھریوں میں گھسے ہوئے ہیں، وہ چار ہی لتروں کے جن ہیں
 نہ دل سے اٹھے گی ہوک کوئی، نہ عاشقی کا بخار ہو گا



ایکشنوں میں کبھی ان ایکشن، عوام ہوں گے نہ پولیشن
 بنام ووٹر، بنام لیڈر، حمار ہوں گے، کمہار ہو گا
 جو قوم کا مال کھا رہے ہیں وہ کس بُری طرح کھا رہے ہیں
 نہ ہو گا کوئی حیا کا قصہ، نہ حادثہ ڈکار ہو گا
 جوٹی وی چینل کے واسطے لکھ رہا ہے محنت کشوں کے نوے
 گداز صوفے میں وہ دھنسا ہو گا اور منہ میں سگار ہو گا
 کسی بھی لیڈر نے سچا وعدہ کیا تو ہو گا فضول یکسر
 ہمیں یقین آ سکے گا کیسے، تمہیں کہاں اعتبار ہو گا
 پولیس والے پکڑ پکڑ کر جو آج لٹکا رہے ہیں الٹا
 میں مقتدر بن گیا تو اک اک یمن ہو گا، یسار ہو گا
 ہزار کا ماسہی مگر افسروں کی نظروں میں کچھ نہیں ہوں
 کروں گا میں چاپلوسی سب کی تو میرا بیڑہ بھی پار ہو گا



میرا کیا دوش کہ یہ عشق تو اس دل کی ہے سازش جانناں!
کیوں ترے ویروں نے کی ہے مری مالش جانناں

حسنِ کافر میں جوانی کی بہاریں بھی عجب رُوپ کی دیکھیں ہم نے
کوئی ہے سرخ ٹماٹر کوئی کشمش جانناں

تاڑوؤں پر کیوں خفا ہوتا ہے
تجھ کو رب نے جو بنایا ہے تو کا ہے کو بنایا ہے یوں مہوش جانناں

کچھ مرے جذبِ دروں کا بھی کرو پاس کبھی
یوں بھی بن جاؤ نہ داعش جانناں

لاکھ فیتوں سے اسے ناپے پھر و
فاصلوں کی کہاں ممکن ہے پیائش جانناں

ناچ گئی کانچایا ہے رقیبوں نے تو یہ مجھ پہ کھلا ہے اکثر
اس سے بڑھ کر نہیں ہوتی کوئی ورزش جاناں

اپنے مطلب کا نظر آئے تو پھر دیکھتے ہیں کھول کے آنکھیں ہم تم
یوں تو بنتے ہیں بہت صاحب بینش جاناں

وہ کرپشن سے بناتے ہیں اثاثے تو یہ حق ہے اُن کا
لیڈر قوم سے قانون کئے جاتا ہے کس برتے پہ پرش جاناں

اپنے احباب میں کہلاتے ہیں وہ لوگ چغد
فیس بک پر جو بگھارے ہی چلے جاتے ہیں دانش جاناں

لفٹ ملتی ہے کلرکوں سے کہاں پھوٹ میں
نوٹ کی شکل نظر آئے تو کرتے ہیں وہ جنبش جاناں

جب حماقت بھری ٹنڈ کوئی نظر آئے تو لفظوں کی لگاتا ہے چپت
یہ قلم کو بھی ہے کس طور کی خارش جاناں

(امجد اسلام امجد کی ایک غزل کی پیروڈی)

اُس نے مہجھا جو کہہ کر پکارا مجھے
مڑ کے تکلنے لگا ہر کنوارا مجھے

تیرا بٹوہ فشارِ شب و روز میں
ہونے دیتا نہیں بے سہارا مجھے

حسن میں نہ کبھی بھی وفا ڈھونڈیے
اک اشارہ تجھے، اک اشارہ مجھے

میرا سر ہے کہ ہے ٹوٹا آئینہ
کیسے سسرال میں لا کے مارا مجھے

اپنے بچوں کی بھتی ہوئی راگنی
کس گویئے کا ہے استعارہ مجھے



تم دیکھو گے!

ہم نے تجھ کو دی تھی عزت
اپنے ووٹ کی ساری طاقت
پلٹا دی تھی وقت کی کایا
سب سے بڑی کرسی پہ بٹھایا

☆☆☆

پر تو نکلا کیسا بالک
دکھلائی کیوں یہ بیدردی
اپنے کرتوتوں کی کالک
لے کر ووٹ کے منہ پر مل دی

☆☆☆

ایک ذرا آنے دے ایکشن
دکھلائیں گے ووٹ کے ایکشن
مکا بوتھے پر جڑ دیں گے
تجھ کو ناک آؤٹ کر دیں گے

جو گھر میں چیقلش کا پھر مقام آیا تو کیا ہوگا
تمہارے ہاں سے بھی شور دھڑام آیا تو کیا ہوگا

جہاں سے ہم پہ ٹھنڈا ٹھار پانی کل بھی آیا تھا
اُسی غرنے سے پھر کوئی سلام آیا تو کیا ہوگا

تحفظات ایسے ہی ترے میرے ملن پر ہیں
اگر نہ میم کے پہلو میں لام آیا تو کیا ہوگا

ابھی مہمان ہے اور آپ ناکوں ناک آئے ہیں
یہی سالا اگر بہر قیام آیا تو کیا ہوگا



عدالت پر بہت چس بہ جبیں ہونا نہیں اچھا
اگر ان فیصلوں کو اڑدھا آیا تو کیا ہوگا

بڑی لش پش دکھاتا جا رہا ہے عاشق بے غم
ترے کوچے میں بے نیل و مرام آیا تو کیا ہوگا

پلاننگ وصل کی کر لی ہے لیکن اس کا بھی ڈر ہے
مجھے نزلہ رہا اُس کو زکام آیا تو کیا ہوگا

جہاں پر تم دئے جاتے ہو بھاشن نو جوانوں کو
وہاں پر تذکرہ ڈیڈ و مام آیا تو کیا ہوگا

وطن کا نو جوان اقبال کا شاہین ہے لیکن
یہ جنگ ازدواجی میں ہی کام آیا تو کیا ہوگا

سبھی کے منہ کھلے رہ جائیں گے فرط تحیر سے
”سر محفل محبت کا پیام کا آیا تو کیا ہوگا“



جو سچی بات کرتا ہے وہ کیسے بات کرتا ہے
اُسے بھی ڈالنے کوئی لگام آیا تو کیا ہو گا

غم ہستی نے اب جن چہروں پر بارہ بجائے ہیں
میں اُن پر ٹانگنے کو ابتسام آیا تو کیا ہو گا

سنا ہے جام ہوتا ہے تو شاعر شعر کہتا ہے
ہمارے تو پر مکھن نہ جام آیا تو کیا ہو گا

کوئی تو سننے والا ہو رضا کارانہ عرض دل
ظفر کو سخت زوروں کا کلام آیا تو کیا ہو گا



چھپے جس سے تھے وہ بھی بے زباں بنتا گیا
بیگمانہ آمریت میں میاں بنتا گیا

کالے دھندے والوں کے اونچے نچلے بنتے گئے
تیرا میرا گھر سمٹ کر پانداں بنتا گیا

ارتقائے حسن کا عالم نہ ہم سے پوچھئے
ریشمی بنتا تھا موٹو ریشماں بنتا گیا

عشق ہم نے جب کیا ہر بی جمالو سے کیا
ہر اڑنگی باز اپنا رازداں بنتا گیا

بال رنگوانے لگا نائی کے آگے بیٹھ کر
دیکھتے ہی دیکھتے بڈھا جواں بنتا گیا

اولاً تم کو شریف انساں کہا تھا اور پھر
گالیوں والا ہی اندازِ بیاں بنتا گیا

غیر پہنچا تیری انگنائی میں تو کچھ نہ ہوا
میں گیا تو چار سو شورِ سگاں بنتا گیا

آج ہر خورد و کلاں ہونے لگا درپے مرے
میرا سچ میرے لئے اک امتحان بنتا گیا

ہم کو بتلاتا رہا وہ سادگی کی برکتیں
اور خود وہ کامیٹکس کی دکان بنتا گیا

رفتہ رفتہ اُس کو بھی دنیا شناسی آ گئی
جو سراپا گل تھا وہ گل شیر خان بنتا گیا

عمر تو ہم دونوں کی یکساں تھی لیکن دن بدن
تیر وہ بنتا گیا اور میں کماں بنتا گیا

ہو گیا معلوم آئے دال کا بھاؤ انہیں
درد میرا جب سے دردِ ناصحاں بنتا گیا

جس کے جی میں جو بھی آئی ہے وہی کرنے لگا
کارواں گویا جلوسِ رہرواں بنتا گیا



سزا

ہوئے ہیں ملاوٹ کے جو مرتکب
یونہی جیل میں نہ گھمائیں انہیں
خود اپنی سزا کو پہنچ جائیں گے
ملاوٹ کی چیزیں کھلائیں انہیں

نوبت ایں جا رسید

چھین لیتے ہیں منہ سے نوالے بجٹ
ہم غریبوں کا جینا ہے کس دُعم کا
ہر بجٹ کی ہے غایت یہی غالباً
گھاس کھانا تمدن ہو اس قوم کا

کرکٹ کے ہیرو



کرکٹ کے ہیرو کچھ پائیں تو دیں
جو پائیں اگلے ہی پل میں کھو دیں
جیتیں تو اکثر
جیسے سکندر
ہاریں تو ٹیکر لٹیا ڈبو دیں

(عدیم ہاشمی کی ایک غزل کی پیروڈی)

وہ ہنس رہا تھا کھیر کھلانے سے پیشتر
 کیا فول ہوں میں اپریل آنے سے پیشتر
 شانوں پہ تیرے اس سے زیادہ لدے گا کون
 جو گھاس کھائے دُم کو ہلانے سے پیشتر
 کوئی بھلا نہ پائے گا قرضہ دیا ہوا
 یہ سوچ لے کسی کو بھلانے سے پیشتر
 اُس سے امید نہ تھی کہ ڈیفالٹر ہے وہ
 جو ہے اڑچھو سارے زمانے سے پیشتر
 حلوہ کھلاؤ یار کو پہلے خلوص سے
 لاؤ کبھی تو آپ اڑانے سے پیشتر
 جو کچھ ہوا ہے تجھ سے بچھڑ کر ہوا مجھے
 بوہ تھا جیب میں ترے جانے سے پیشتر
 لوگوں پہ لغویات کا کیچڑ نہ یوں اُچھال
 اعلان کر دیوان سنانے سے پیشتر



چھپ کے ملنے آؤں تو رسپانس دینا چاہیے
کم سے کم تم کو ذرا سا کھانس دینا چاہیے

ہیر کیوں تلاش رانجھے پر فدا ہوتی رہے
لکھ پتی ہے قیس تو پھر پھانس دینا چاہیے

آدمی سانچے سے لگتا ہے نہ وہ کردار سے
سو اُسے بھی درجہ بن مانس دینا چاہیے

ڈائمنگ روشن خیالی منکشف کرتی نہیں
موٹیوں کو مشورہ ڈانس دینا چاہیے

نوجواں جب نوجواں بیوی کو تاڑیں راہ میں
خاوند کہنہ برس کو کھانس دینا چاہیے



---ق---

زور و زوالوں کی ہی چاندی ہے جگ میں کس لئے
کچھ غریبوں کو بھی اذن سانس دینا چاہیے

ایک کی سپلائی جاری ہے محلوں کو تو پھر
ہم کو بھی نانِ جویں کا چانس دینا چاہیے

ایک مدت سے کہیں ہم کو نظر آئی نہیں
بہر سچائی کنویں میں بانس دینا چاہیے

حسن کا میلہ ہے دنیا اور ہم شادی شدہ
زندگی کو کس طرح رومانس دینا چاہیے



کلجک کی پھرتی کے ہم قائل ہیں وافر
آتا تو کم یاب ہے، موبائل ہیں وافر

کیسا باندھ کے مارا ہے دشمن کو نشانہ
تیر چلانے والے خود گھائل ہیں وافر

یار ہیں شکوہ سنج کہ اُس کو گھاس نہ ڈالی
بل جو دیکھوں تو نمبر ڈائل ہیں وافر

اندھوں کے ہاتھوں میں تھی تقسیم چنانچہ
دینے والے عنقا ہیں، سائل ہیں وافر

دل دیکھو تو مکھی کی منڈی سے چھوٹا
شجرہ دیکھو تو میڈ ان رائل ہیں وافر

امن کے پرمٹ لینے ہیں تو وہیں ملیں گے
جن ہٹیوں میں بم اور میزائل ہیں وافر

جانے پروانے کیوں مچھر سے لگتے ہیں
شمع حسن کی جانب تو مائل ہیں وافر

روز تری انگنائی میں سر پھٹنے لگا ہے
ملت کے یگ مین انزجائل ہیں وافر

بھتنی بھی میک اپ سے حور بنی پھرتی ہے
آج کی ہر لڑکی کے اسٹائل ہیں وافر

منصف سارے پی سی اور پر چلے گئے ہیں
کیس تو میرے جذبوں کے فائل ہیں وافر

چپ جورہوں تو ٹنڈ میں کھلی سی رہتی ہے
نقرہ بازی کروں تو پھر زائل ہیں وافر

اُن کی ایک نگاہ

ٹھانی ہے ہر بار کی صورتِ دل میں پھر اس بار
اب نہ دیدہ اغماز کے ہوں گے اور شکار

آخر کب تک اُن کی لا پرواہی کا ہو سوگ
ایک ذرا سی پریت بنے کیوں اپنی جاں کا روگ

پل پل جان نکالیں تو پھر کیونکر ہوں وہ جان
اُن سے ملنے کے ارمان کے پکڑیں گے ہم کان

اپنے آپ سے اُن کی باتیں کرنا بھی موقوف
اپنی ذات کے اندر اُن کا دھرنا بھی موقوف



کرنی نہیں وٹس ایپ پہ اُن کو آئندہ سے کال
اُن کو نہیں ہے پرواہ تو کیوں ٹیکے اپنی رال

اُن کے جلوؤں کے آگے نہ ہرگز ہوں گے ڈھیر
کالج میں مدبھیڑ ہوئی تو منہ ہی لیس گے پھیر

کالے کالے گیسو، مکھن مکھن روپ کو ٹھاہ
اب نہ اُن کو دیکھ کے منہ سے نکلے گی واہ واہ

کبھی کبھی کے اِن خدشوں کی کر دیں گے تائید
اور کسی کا میلہ ہیں وہ اور کسی کی عید

لیکن ہیں بیکار قلعہ بندی کی یہ اشباہ
اتھل پتھل کر دے گی سب اُن کی ایک نگاہ





ہدیہ تہنیت

ظفر آنجمانی کی کیا بات ہے
میانہ روی سے گزاری حیات
کبھی بیوقوفی دکھائی نہیں
نہ کی عقل والی کوئی واردات

ارے!

بھاؤ بکرے کے سنے تو یک بیک
جھرجھرا کر رہ گئے سب دست و پے
ہوش کر ظالم ترا گا ہک ہوں میں
کھال بکروں کی اتاری جاتی ہے

زوجہ ہے تو پھر پاؤں دبانا ہی پڑے گا
جو ڈھول گلے میں ہے بجانا ہی پڑے گا

تو راضی تری بھی ترا باپ بھی راضی
پھر بھی مرے رستے میں زمانہ ہی پڑے گا

وہ جانِ غزل ہے مری تقدیر کی سرسوں
سو اُس کو ہتھیلی پہ جمانا ہی پڑے گا

پھوکت میں تو معراجِ محبت نہیں ملتی
آشاؤں کو خودکش تو بنانا ہی پڑے گا

یہ کوچہ لیلیٰ ہے، یہاں سوچ کے آنا
کتے نہ پڑیں گے تو دوانہ ہی پڑے گا

---ق---

وہ شوخ تو ہے میرے مقدر میں نوشتہ
صدمہ یہ رقیبوں کو اٹھانا ہی پڑے گا

مجھ کو تو نجومی نے کرایا ہے یہ باور
وہ چاہے نہ چاہے اُسے آنا ہی پڑے گا

یونہی نہیں ہوتا ہے کبھی کام کسی کا
مسکہ تو مری جان لگانا ہی پڑے گا

روٹی کا حصول اتنا بھی آسان نہیں ہے
تنور میں پیڑا تو لگانا ہی پڑے گا

اک یار ہے اور وہ بھی سُبائے ہوئے منہ ہے
چھ سات کو اب چانس پہ لانا ہی پڑے گا

وہ چھوڑ گیا، بھول گیا، دور دفع ہے
پر ہم کو اُسی نام کا طعنہ ہی پڑے گا

ہم کیسے مسلمان ہیں، ”ٹرمپ“ کو بھی پتہ ہے
ہم جیسے بیثیروں کو لڑانا ہی پڑے گا

غیرت کا عصا لے کے کہیں اُٹھ نہ کھڑے ہوں
کبڑوں کو ذرا اور جھکانا ہی پڑے گا

کرنی ہی پڑے گی تیرے اُبے سے گزارش
یہ تیر ہواؤں میں چلانا ہی پڑے گا

ہم لوگ کبھی خواب بدلتے نہیں ہرگز
سینڈل بھی پڑے گا تو پرانا ہی پڑے گا

کنسرٹ کی صورت ہے ظفر بزمِ سخن بھی
غزلوں کو یہاں گا کے سنانا ہی پڑے گا

(خاور احمد کی ایک غزل کی پیروڈی)

ایسے میک اپ میں ہی رہنا کہ کبھی جب بھی ملیں
اسی تصویر سے عارض بھی ملیں، لب بھی ملیں

کیا یہ کافی نہیں، مل لیتی ہیں امیاں اُن کی
کیا یہ لازم ہے کہ فرزانہ و کوکب بھی ملیں

کیا ہوا، ہم جو کسی اور کی قسمت ٹھہرے
پارک میں بچوں کے ہمراہ، چلو اب بھی ملیں

ایسی قسمت تو نہ میری ہے، نہ تیری جاناں!
تیرے عاشق کو مجازاً نہ مناصب بھی ملیں

اک نہ اک ساس مقدر میں لکھی ہوتی ہے
ایسا ہوتا نہیں گڑیاں بے مسبب بھی ملیں

اپنے ہوٹل کا پکا کس لئے کھائے مالک
تیری منشاء ہے کہ بیمار ہو جائے مالک؟

آپ مالک سے تو یہ کام نہیں ہونے کا
ہم اچھالیں گے تو اچھلے گی قبائے مالک

اچنی اسٹینو کے ہر کام تو آ جاتا ہے
مالکن کا بھی کبھی ہاتھ بٹائے مالک

مالکن آج کچن میں ہے کوکنگ کی خاطر
گھر کا کھانا تو ذرا کھا کے دکھائے مالک

نوکروں پر جو زباں یوز کیا کرتا ہے
مالکن نے بھی وہی رکھی برائے مالک

جب تلک ڈانٹ ڈپٹ سے نہ کرے بسم اللہ
غالباً ہضم نہیں ہوتی غذائے مالک

کس پہ گھر والی کا غصہ وہ نکالے گا بھلا
دیکھئے آج پڑے کس پہ بلائے مالک

سارا نزلہ میری اجرت پہ گرا کرتا ہے
جب بھی بزنس میں اکھڑتی ہے ہوائے مالک

شکر ہے ایسا کوئی پیکٹ نہیں ہو سکتا
موت آ جائے ملازم کو بجائے مالک

ہم بھی مالک کی طرح پھیل کے سو جاتے ہیں
جائے ممنوعہ نہیں ہے کوئی جائے مالک

سیلور فون بھی کیا شے ہے زمانِ نو میں
یہ بشیرا ہمہ اوقات اٹھائے مالک



یوں تو امریکہ کے چرنوں میں پڑے رہتے ہیں
سر پہ پڑتی ہے تو چلاتے ہیں ہائے مالک

جو بھی چچے نے کہا ہے وہ صحیفہ ٹھہرا
جیسے رکھتا نہ ہو اپنی کوئی رائے مالک

نطق لاہور میں فقرے اُسے ماریں ہم بھی
بے مزا ہو کے اگر منہ نہ سجائے مالک

کیسا نوکر ہے کہ قابو میں نہیں آتا ہے
باندھ کر اُس کو کلام اپنا سنائے مالک



بھولپن تو ہے گوئیوں کی طرح
گھات امریکی رویوں کی طرح

آپ نے کیوں ٹانگ میری کھینچ لی
آپ تو ملتے تھے بھیوں کی طرح

عالم پُرفن میں بُش بھائی سمیت
سب ڈریکولے ہیں سیوں کی طرح

پیٹ میں چاہے چنے کی دال بن!
ذائقہ تو رکھ سویوں کی طرح

دفتر سرکار میں رشوت کی چھو
دوڑتی ہے لے کے پپیوں کی طرح

مک مکا نے راستہ دکھلا دیا
ورنہ بیٹھے تھے نشیوں کی طرح

خادمان قوم کی جمہوریت
شان میں ہے شہنشاہوں کی طرح

ثبت رکھی عشق نے تشریف پر
ہر پرانی لات نیوں کی طرح

میرا بیٹا بھی بڑا فنکار ہے
یہ بھی روتا ہے گویوں کی طرح

کل کوئی سیدھی نہیں لیکن ظفر
ناز نخرے سارے سیوں کی طرح

جانتے سب ہیں جو کردار ہے، سب چلتا ہے
محترم ہے کہ وہ زردار ہے، سب چلتا ہے

اپنے گل خان میں فیشن کے جراثیم نہیں
وہ تو شلوار ہی شلوار ہے، سب چلتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ خبر کچھ بھی نہیں ہے لیکن
شور کرتا ہوا اخبار ہے، سب چلتا ہے

آج کل ڈیموکریسی بھی کہاں وارے میں
اب تو بے وقت کی ملہار ہے، سب چلتا ہے

یہ ولیمے کے ہی کھانے پہ کھلے گا تم پر
کس قدر کوئی وضعدار ہے، سب چلتا ہے

کاغذوں میں تو ترقی کے ہیں دعوے خاصے
اور کچھوے کی سی رفتار ہے، سب چلتا ہے

دیکھنے والوں میں دوڑاتی ہے دہشت کیا کیا
مونچھ کہ صورتِ تلوار ہے، سب چلتا ہے

اُس نے گالی کو بنا رکھا ہے تکیہ کلام
واہ کیا شوخی گفتار ہے، سب چلتا ہے

نوحہ تو ڈیموکریسی کا کوئی کرتا ہے
اپنی کرسی کا عزادار ہے، سب چلتا ہے

وہ ستمگار تو دلدار شکن ہے یکسر
ہاں مگر نام کا دلدار ہے، سب چلتا ہے

گرہ کٹ گرہیں

(وٹی دکنی کے اشعار سے دست درازی)

اُسے زندگی کیوں اچاری لگے
 ”جسے عشق کا تیر کاری لگے“
 تو میں کیا دیکھا کروں رنگیلے کون فلماں کے بیچ
 ”گر نہ دیکھوں تجھ کوں اے چشم و چراغ زندگی“
 سب کمینے لگے ہیں لائن میں
 ”وقت آیا ہے سرفرازی کا“
 پچیس کے زاوے سے جو ملتا تھا کل تک
 ”دیتا نہیں سلام کا میرے جواب آج“
 بقیض پارلر کیا ہے بڑھاپا
 ”نہ جاوے دولت حسن خداداد“
 جو مریضان سیاست دیکھ لے
 ”قاعدے حکمت کے سب جائے بسر“
 محبت میں کسی اسمارٹنیس کی کیا ضرورت ہے
 ”خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ“

گرہ کٹ گرہیں

(میر انیس کے اشعار سے دست درازی)

یہ یونہی کوسا کرو راشیوں، کمینوں کو
 ”انیس تھیں نہ لگ جائے آگینوں کو“
 یوں تو کہنے کو وہ کہتے ہیں کہ آئیں بیٹھیں
 ”آپ نظروں کی زباں بھی تو سمجھتے ہوں گے“
 لاہور کی دُم جا کے تلہ گنگ سے باندھوں
 ”اک پھول کا مضمون ہو تو سورنگ سے باندھوں“
 بیویاں آپس میں لڑ کر جا چکیں
 ”میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا“
 میں گالیاں دیتا ہوں تو کیوں ٹوک رہے ہو؟
 ”بتلاؤ کہ دنیا نے کسی سے بھی وفا کی“
 ظفر ہم عشق کو شادی کی حد تک لائیں سکتے
 ”یہ اُن کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں“
 پانچ سو سے میں زیادہ نہیں لوں گا ٹیوشن
 ”بلبلیں ہم سے گلستاں کا سبق یاد کریں“

گرہ کٹ گرہیں

(محمد رفیع سودا کے اشعار سے دست درازی)

کیا عیسیٰ خیلوی ہے تو رونے رُلانے میں
 ”اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے میں“
 بیگم! یہ کیسا کھانا پکایا ہے یاد رکھ
 ”سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا“
 کب تک کھڑے رہیں تیرے کالج کے گیٹ پر
 ”تیرا پتہ نہ پائیں تو لاچار کیا کریں“
 بچا کے آئیو بلو کے گھر ذرا سرور
 ”کہ اس نواح میں سودائے برہنہ پا بھی ہے“
 خود کو الو نظر آتا ہوں میں آئینے میں
 ”کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں“
 دکھائی دیتا ہے ساقی کو احتساب میں سانپ
 ”زمیں پہ رکھ دیا ساغر کہ ہے شراب میں سانپ“
 جمہوری حکومت کی طرح جلدی ہے مجھ کو
 ”ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں“

گرہ کٹ گرہیں

(حسرت موہانی کے اشعار سے دست درازی)

آپ ہی دے دی ہے دعوتِ شامت اعمال کو
 ”کیا کیا میں نے کہ اظہارِ تمنا کر دیا“
 ہر بار ہے لازم ترے اشعار چرانا
 ”ہر بار اُسے قصہٴ دل کہہ کے سنانا“
 میں اور اُس کے جوڈو کراٹے کی ہاؤ ہوا!
 ”لیکن ہجومِ شوق نے مجبور کر دیا“
 اِس بھرے گلشن میں گویا میں ہی تیرا بھونڈ تھا
 ”یاد کر وہ دن کہ تیرا کوئی سودا کی نہ تھا“
 اب کے بھی تو نے ٹھینکا دکھایا تو جانِ جاں
 ”میں بھول جاؤں گا کہ مراد عا ہے کیا“
 اتنی مہنگی ہو گئی کم بخت، لے سکتا نہیں
 ”آہ وہ خوشبو کہ تھی پروردہٴ گیسوئے دوست“
 ہوتا ہے زندگانی کے پتلیج میں صرف ایک
 ”لائے کہاں سے روز کوئی ارمغانِ دل“

گرہ کٹ گرہیں

(مومن خان مومن کے اشعار سے دست درازی)

تھی اُلٹے کام کرنے کی عادت پڑی ہوئی
 ”میں کوچہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا“
 تجھے نظر نہیں آتا ہوں تیری محفل میں
 ”مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا“
 ترے علاقے کے تھانے میں بھی کوائف ہیں
 ”ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا“
 لونیوز چینلوں سے وہ ہونے لگا ہے نشر
 ”لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا“
 جان تم پر نثار کرتا ہوں
 ”جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا“
 ہم نے تو دیکھ لیا ہے تمہیں میک اپ کے بغیر
 ”ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے“
 شاعر بھی ہو، پی آر بھی رکھتا نہ ہو، واللہ!
 ”ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا“

گرہ کٹ گرہیں

(جگر مراد آبادی کے اشعار سے دست درازی)

ہائے وہ ظالم بطرزِ اشتہار آ ہی گیا
 ”تم کو پیار آئے نہ آئے، مجھ کو پیار آ ہی گیا“
 لے اڑا اقتدار کی منزل
 ”جس کو خانہ خراب ہونا تھا“
 اک یار سے ہو سکتے نہ تھے کام یہ دودو
 ”اک یار نے لوٹا مجھے اک یار نے مارا“
 ساری دنیا میں ایک ہے ہم کیا؟
 ”ہو تمہیں تم اگر تو پھر ہم کیا؟“
 اُس نے بھی بہر مدد بھیا کیا
 ”کیا کیا اے عشق تو نے کیا کیا“
 آپ ہم تو بس یونہی، اس وطن میں بستے ہیں
 ”عہدِ ماہتاب اُن کا، دورِ آفتاب اُن کا“
 ظفرتاڑنے میں تو پی ایچ ڈی ہیں
 ”جہاں جائے گا، ہمیں پائیے گا“

مشرقی ہوشیار باش

دگر دگر!	کتاب کا نام
نوید ظفر کیانی۔	شاعر
یہ نوید ظفر کیانی کے طنز و مزاح پر مبنی کلام کا چھٹا مجموعہ ہے جسے برقی کتاب کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔	وضاحت
جملہ حقوق بحق شاعر محفوظ۔	کاپی رائٹ
اس کتاب کو حوالہ جات یا غیر کاروباری نقطہ نظر سے استعمال کیا جاسکتا ہے یا اس کا اشتراک کیا جاسکتا ہے تاہم اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ یا اس کی شکل تبدیل کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کے لئے شاعر کی پیشگی اجازت ضروری ہے۔	اجازت
۱۵۸	صفحات
۲۰۱۸ء	سال اشاعت
۲۰۱۸ء	سن اضافہ
مکتبہ ارمغانِ اہلسام۔ پاکستان	پبلشر
www.naveedzafarkiani.wordpress.com	بلاگ
www.facebook.com/nzkiani	فیس بک
http://archive.org/details/@nzkiani	میری تمام کتب کا ربط
nzkiani@gmail.com	برقی ڈاک کا پتہ



میری طرف تو دیکھئے، میں ناز نہیں سہی!